

# چالیس 40

# ارشاد نبوي صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مختصر عام فہم ترجمہ و تشریح کے ساتھ  
جو طلبہ، طالبات عصریہ و عربیہ کے لیے بالخصوص نافع ہیں  
اور عموماً ہر مسلمان مرد عورت کے لیے  
اس میں ہدایت کا سامان موجود ہے۔

از قلم: قاری محمد اکرم عینی  
فیض القرآن! مدرسۃ الظہروال ضلع چکوال

## پیش افظ

رسول اللہ ﷺ نے احادیث یاد کرنے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ یعنی نے شعب الایمان میں حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یعنی جو شخص یاد کرے اور پہنچائے میری امت کو چالیس حدیث میں جوان کے امر دین سے ہوں، اٹھائے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن فتھا کے زمرہ میں اور میں اس کے لئے اس کے گناہوں کی شفاعت کرنے والا اور اس کی طاعت پر گواہی دینے والا ہوں گا۔ حضرت سید نا ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم، نور جسم، رسول مکرم، سر اپا جو دو گرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی کہ اس علم کی عمد کیا ہے جہاں انسان پہنچے تو عالم ہو؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو میری امت پر چالیس احکام دین کی حدیث میں ختم کرے اسے اللہ (غفران و جل جل) فقیہ اٹھائے گا اور قیامت کے دن میں اس کا تقسیع اور گواہ ہوں گا۔ (مشکوٰۃ المصائب، کتاب العلم، الفصل الثالث، الحدیث ۲۵۸، ج ۲، ج ۶، ص ۶۸)

حضرت سید ناشنخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ رحمۃ الرحمی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ اصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے مراد و مقصود لوگوں تک چالیس احادیث کا پہنچانا ہے۔ چاہے وہ اسے یاد نہ بھی ہوں اور ان کا معنی بھی اسے معلوم نہ ہو۔ (اشعتۃ اللمعات، ج ۱، ص ۱۸۶)

یہ حدیث مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں منتقل ہے، اگرچہ اس کے تمام طرق ضعیف ہیں، (۲) لیکن کثرت طرق کی بنا پر اس کا ضعف نہ ہو گیا۔ (۳) خصوصاً فضائل کے باب میں تو حدیث ضعیف بھی قابل قبول ہے۔ اس حدیث کے بہت پہلو میں؛ چالیس حدیث میں یاد کر کے مسلمان کو منانا، چھاپ کر ان میں تقسیم کرنا، ترجمہ پا شرح کر کے لوگوں کو سمجھانا، راویوں سے سن کر تابی شکل میں جمع کرنا سب ہی اس میں داخل ہیں یعنی جو کسی طرح دینی مسائل کی چالیس حدیث میں امت تک پہنچادے تو قیامت میں اس کا خشر علمائے دین کے زمرے میں ہو گا اور میں اس کی خصوصی شفاعت اور اس کے ایمان اور تقویے کی خصوصی گواہی دوں گا اور زغمومی شفاعت اور گواہی توہ مسلمان کو نصیب ہوگی۔ اسی حدیث کی بنا پر قریبًا تمام محدثین نے جہاں حدیثوں کے دفتر لکھے وہاں علیحدہ چھل حدیث ہے جسے آرے عینیہ کہتے ہیں جمع کیں۔

زیر نظر تھا پچھے چالیس احادیث مبارکہ پر مشتمل ایک گلڈ سٹار ایک جیسی مجموعہ ہے، یہ دراصل ان چالیس درس حدیث کے وہ اس باقی ہیں جو YouTube پر میرے چینیل Umar Gallery پر بیان ہو چکے ہیں۔ یہ ان نوٹس (Notes) کو کمپوز کر کے انہیں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لینے اور مطالعہ کا ذوق رکھنے والوں کی خاطر اسے کتابی صورت دے دی گئی ہے۔ تاکہ ہم سب احادیث کی اہمیت کو سمجھیں اور نبی کریم ﷺ کی ان جامع احادیث کو یاد کر سکیں اور پھر ان میں موجود تعلیمات کو اپنی زندگی میں داخل کر سکیں۔

خلاصہ یہ کہ احادیث رسول اللہ ﷺ کو یاد کرنا اور انہیں مسلمانوں تک پہنچانا ایسی فضیلت اور اجر و ثواب کا موجب ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن فتحاء کے گروہ میں اٹھایا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ اس کے لئے شفیع اور شہید ہوں گے۔ بشرطیکہ ایمان اور اخلاق کامل کے ساتھ یہ عمل ہو اور مرتبے دم تک کوئی ایسا گناہ سرزد نہ ہو جس سے یہ نیکی ضائع ہو جائے کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ”انما الاعمال بالخواتیم“ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان، اخلاق اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ ہر شخص کو ان تعلیمات پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ کریم ہمیں ان مبارکے ارشادات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

محمد اکرام غفرلہ یکم جمادی الثانی 1444ھ بطابن 24 دسمبر 2022

مدرس امدادیہ فیض القرآن اور ڈھرووال شلح چکوال

عمر شاheed Library  
Umar Shaheed Library  
[www.umarllibrary.org](http://www.umarllibrary.org)

## ارکانِ اسلام کا بیان

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَبْنَىْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ:

**بُنْيَ الْإِسْلَامُ عَلَىٰ خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنَّ لَلَّهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكُوٰةِ وَالْحِجَّةِ وَصَوْمَرَمَضَانَ.** (متفق علیہ)

سیدنا عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ! ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں اور محمد ﷺ کے رسول میں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، (بیت اللہ) کا حج کرنا اور مہر رمضان کا روزہ رکھنا۔ (متفق علیہ یعنی جس کی روایت پر سفاری اور مسلم نے اتفاق کیا ہے)

فرمایا: **بُنْيَ الْإِسْلَامُ عَلَىٰ خَمْسٍ**  
یعنی دین اسلام میں پانچ ایسے امور میں

**شَهَادَةِ أَنَّ لَلَّهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللَّهِ**

پہلا رکن: لا الالہ الا محمد رسول اللہ یعنی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں اور محمد ﷺ کے آخری رسول میں۔

آرکانِ اسلام پانچ ہیں، جن میں پہلا رکن اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور بنی کریم ﷺ کی بوت اور رسالت کا اقرار ہے۔ ان پانچ آرکان کو ایک مومن کی شخصیت سنوارنے اور اس کا مثالی کردار بنانے میں بہت بڑا دل ہے۔ سب سے پہلے رکن کلمہ شہادت کو لے لجیے، جس کے ذریعے ایک مومن اپنے رب کی وحدانیت کا اقرار کر کے مخلوق کی عبودیت سے آزاد ہو جاتا ہے اور بنی کریم ﷺ کی رسالت کا اقرار کر کے زندگی گزارنے کا راستہ متعین کر لیتا ہے۔ یہ

ایمان کی بنیاد اور یہی وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر باقی آرکان اور اسلامی تعلیمات کا دار و مدار ہے۔

### اور فرمایا: وَإِقَامَ الصَّلَاةِ

دوسرے کن: نماز قائم کرنا،

نماز کو دین کا ستون کہا گیا ہے اور یہ ایک ایسا فریضہ ہے جس کے ذریعے مسلم اور غیر مسلم کی پہچان ہوتی ہے۔ نمازوہ عبادت ہے جو ایک مومن کی شخصیت کو بنانے میں بنیادی کردار آدا کرتی ہے اور بندے کا تعلق آپنے رب سے جوڑتی ہے۔ نماز ہر قسم کی بے حیائی اور برآئی سے روکتی ہے۔ نماز گزشتہ گناہوں کا کفارہ بن کر مومن کو گناہوں کی آلوہگی سے پاک صاف کر دیتی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی کریمؐ نے نماز کی فضیلت اور اس کے فائدے کو ایک حصی اور ظاہری مثال دے کر یوں سمجھایا ہے کہ پانچ نمازوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کے دروازے کے سامنے پانی کی ایک نہر جاری ہو اور وہ شخص اس میں پانچ وقت غسل کرتا ہے، بتاؤ کیا اس کے بدن پر میل پچھل نہیں رہے گا۔ تو آپؐ نے فرمایا، یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے، جس نے آن کو ادا کیا اللہ تعالیٰ اسے ان نمازوں کی برکت سے گناہوں کی آلوہگی سے پاک فرمادیتے ہیں۔

### وَإِيتَاءُ الزَّكُوْةِ

تیسرا کن: زکوٰۃ ادا کرنا، اسلام کے آرکان میں ایک اہم رکن زکوٰۃ ہے۔ ارشاد باری ہے ”نماز قائم کرو اور زکوٰۃ آدا کرو۔“ (المبقرۃ) البتہ اس فریضہ کی آدائی کے لیے شرط یہ ہے کہ انسان مال دار اور صاحب نصاب ہو۔ اسی لیے زکوٰۃ کو مالی عبادت کہا جاتا ہے اور یہ بھی مومن کی شخصیت میں اہم کردار آدا کرتی ہے اور اسے بخل، کنجوی اور مال داری کے بڑے اثرات سے بچا کر اس کے دل میں غریبوں کی محبت اور ان کے حق میں خاوات اور ہم دردی کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا ”یعنی یہ زکوٰۃ کامال ان کے آغیاء سے لیا جائے گا اور انہیں کے فقراء اور محجّب جوں میں اسے تقسیم کیا جائے گا۔“

### وَالْحَجَّ

چوتھا کن: بیت الحرام کا حج کرنا

آرکانِ اسلام کا ایک رکن حج ہے، جس کا تعلق بیت اللہ شریف سے ہے، جو مکہ مکرمہ میں ہے۔ جس کی

طرف ہر مسلمان پاچ وقت منہ کر کے نماز آدا کرتا ہے اور یہ فریضہ ہر اُس مسلمان پر عمر بھر میں ایک بار فرض ہے جو وہاں جانے کی طاقت رکھتا ہو۔ حج بھی مومن کی زندگی میں ایک عجیب انقلاب برپا کرتا ہے کیوں کہ وہ ایسے گھر کی زیارت کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مرکز پدایت بنایا ہے اور وہ ایسے گھر کی زیارت کرتا ہے جو مرکزوں کی وجہ پر رہا ہے۔ وہ اس سر زمین کا مشاہدہ کرتا ہے، جہاں سے وحی کی ابتدا ہوئی۔

**وَصَوَّهُ رَمَضَانَ۔** (متفق علیہ یعنی جس کی روایت پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا ہے۔)

پانچواں رکن: (ماہِ رمضان کا روزہ رکھنا

اسلام کے آرکان میں ایک رکن رمضان مبارک کا روزہ ہے۔ جو مومن کے دل میں مسراقبے کی صفت پیدا کرتا ہے، جس سے وہ سمجھتا ہے کہ میں آپنے رب کے سامنے ہوں اور وہ مجھے ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ روزہ گناہوں سے شکنے کے لیے ڈھال کا کام دیتا ہے۔ روزہ ڈھال ہے، روزہ آپنے محنت بھائیوں کی بھوک اور پیاس یاد دلا کر آن کے ساتھ ہم دردی اور تعاون پر آمادہ کرتا ہے۔ روزے کی فضیلت کے بارے میں آپ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اُس کا بدلہ دوں گا اور فرمایا کہ جنت میں روزہ داروں کے لیے ایک خاص دروازہ ہوگا جس کا نام ریان ہے۔“

عمر شاheed Library  
Umar Shaheed Library  
[www.umarllibrary.org](http://www.umarllibrary.org)

## چار بڑے بڑے گناہ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: عَنِ الْكَبَائِرِ، قَالَ: إِلَشْرَاكُ بِاللَّهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدِينَ وَقَتْلُ النَّفَّيْسِ وَشَهَادَةُ الرُّؤْوَرِ۔ (متفق عليه)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے کہا تھا (یعنی بڑے گناہ) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، بھی حبان کا (ناحی) قتل کرنا، اور جھوٹی گواہی دینا۔ (متفق عليه)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے ہمیں چار ایسے امور کے بارے میں خبر دی ہے، جو کہا تھا اور بڑے گناہوں میں سے ہیں۔ حدیث میں نبی ﷺ نے جن کہا تھے کہ فرمایا ہے، وہ مندرجہ ذیل چار ہیں: اور اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے ان گناہوں کا ذکر کیا جو کبیر و گناہ شمار ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت یا عبودیت میں اس کے ساتھ کسی کو شرک یک ٹھہرانا، اس کو پہلے ذکر کیا اس لئے کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ پہلا بڑا گناہ فرمایا: قَالَ: إِلَشْرَاكُ بِاللَّهِ،

اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی ذات یا صفات میں اور اس کی عبادت و بندگی میں کسی دوسرے کو کم و بیش یا سا بخاٹھ ہر اندازہ شرک، توحید کی صدا اور سب سے بڑا گناہ اور کفر کے مترادف ہے۔ دراصل اسلام میں عقیدہ ہی وہ بندگا ہے جس پر تمام اعمال کی جزا اور سزا کا اختصار ہے۔ اگر عقیدہ شرک سے پاک ہے تو اعمال کی کوتایہوں اور لغزشوں کی بخشش اور معافی کی پختہ امید رکھنی چاہیے، لیکن اگر عقیدے میں شرک کی آمیزش ہے تو پھر پہاڑوں کے برائیکیاں بھی کسی کام نہیں آئیں گی۔ شرک کی خدا کے یہاں مغفرت ہرگز نہیں ہو سکتی ہے۔

### دوسرا بڑا گناہ: وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ

والدین کی نافرمانی کرنا:- اسلام میں ماں باپ کا بہت بلند مقام ہے، انہیں ڈانٹنے، جھوٹ کرنے بلکہ اف بھی کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ اولاد پر والدین کے بے پناہ احسانات ہوتے ہیں۔ مادر حرم سے لیکر وفات تک شفقت مادری اور نصرت پدری ملتی ہے۔ ان کے احسانات کی کوئی گنتی و شمار ہے، نہ ہی کوئی ان کا بدله چکا سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ نے والدین کے ساتھ احسان و سلوک کرنے کا حکم دیا تو یہ اولاد کے لئے فرائض میں شامل ہے، اس میں کوتاہی کرنے والا والدین کا نافرمان اور گناہ کبیرہ کام تکب شمار ہو گا۔ والدین کا نافرمان اللہ کی نظر بہت ہی برا آدمی ہے اس لئے اس کی سزا بھی دنیا و آخرت میں بہت بڑی ہے اور والدین کا خدمت گزار اللہ کی نظر میں بہت اچھا آدمی ہے اس لئے وہ دنیا میں بھی اللہ کے خاص فضل و احسان کا ممتحن ہے اور آخرت میں بھی بہتر سے بہتر بدله ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہیں والدین کی خدمت کی توفیق بخشنے اور ان کی نافرمانی سے بچائے۔

### تیسرا بڑا گناہ: وَقَتْلُ النَّفْسِ

کسی جان کا ناحق قتل کرنا:- اسلام نے انسانی زندگی کو مقدس اور انسانی جانوں کو محترم ٹھہرایا ہے۔ انسانی جان پر زیادتی کرنا اتابر احتجم ہے کہ کفر کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ مذہب و اخلاق کی رو سے انسانی جان کو ہمیشہ حرمت حاصل رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی انسان کا ناحق قتل کرنا کافر کے بعد کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ ہے، کبھی انسان کو ناحق قتل کرنے میں جہاں اللہ تعالیٰ کے حکم کی پامالی اور اس کی نافرمانی ہے، جو حقوق اللہ ہے، وہاں اس میں ایک انسان کو قتل کرنا، اس سے اس کو اور اس کے لاحقین کو تکلیف پہنچانا یہ "حقوق العباد" سے تعلق رکھتا ہے۔ لہذا ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ قتل جیسے کبیرہ گناہ سے ہمیشہ بچے، حتیٰ کہ کسی بھی درجہ میں قتل کی معاونت سے پہنچا بھی لازم ہے، یعنیکہ بسا اوقات ایک شخص کے قتل سے نہ صرف اس کی بیوی بچوں کی زندگی، بلکہ خاندان کے مختلف افراد کی زندگی بعد میں دو بھر ہو جاتی ہے اور اس طرح خوش حال غاذان کے افراد بیوہ، بیویم اور محتاج بن کر تکلیفوں اور پریشانیوں میں زندگی گزارنے والے بن جاتے ہیں، جس کا سبب اور گناہ گاریہ قاتل ہوتا ہے۔

### چوتھا بڑا گناہ: وَشَهَادَةُ الزُّورِ

جھوٹی گواہی دینا:- کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دینا حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے، اس کی مذمت کرتے ہوئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحیح کی نماز پڑھنے کے بعد تین مرتبہ فرمایا: "جھوٹی

گواہی، شرک کے برابر ہے، جوئی گواہی دینا، ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے۔ لہذا! جب بھی کسی معاملے میں گواہی دینے کی ضرورت پیش آئے تو پچھی گواہی ہی دینی چاہے۔ جس گناہ پر شریعت میں مخصوص سزا مقرر ہے یا العنت آئی ہے یا جننم کی وعیدوارد ہوئی ہے وہ گناہ کبیرہ ہے اللہ ہم سب کو ان تمام کبیرہ گناہوں سے محفوظ رکھے اور صغیرہ سے بھی پچھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

## سچا اور کامل مسلمان

عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہما، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

((الْمُسْلِمُ مِنْ سَلْمٍ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لَسَانِهِ وَيَدِهِ)) متفق علیہ.

ترجمہ: سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی نے فرمایا: "مسلمان وہ ہے جس

کے ہاتھ اور زبان سے (دوسرے مسلمان) محفوظ، متفق علیہ

مسلمان کبھی پختہ اسلام والا ہوتا ہے اور کبھی کمزور اسلام والا ہوتا ہے، جس طرح مومن بسا اوقات ایمان

میں مضبوط ہوتا ہے اور کبھی کمزور ایمان والا ہوتا ہے۔

پس جو مسلمان اسلام میں پختہ اور کامل و مکمل ہو، وہی سچا مسلمان ہے اور اس کا اسلام حقیقی اسلام ہے،

جسے اللہ پسند کرتا ہے اور جس سے راضی ہوتا ہے۔ ہر کلمہ گو مسلمان اور مومن ہے لیکن جو شخص کلمہ پڑھ کے یعنی کلمہ اسلام

کلمہ طیبہ پڑھ کہ پھر اس پر عملکرتا ہے، اللہ کے حکم اور اس کے رسول کے مبارک ارشادات کے مطابق اپنی زندگی

بسر کرتا ہے، تو وہ ہی مومن کامل کہلاتا ہے، اور جو شخص اپنے ایمان اور کلمہ طیبہ کے تقداموں کو پورا نہیں کرتا تو

مسلمان اور مومن تو وہ بھی ہے لیکن وہ کامل مسلمان اور کامل مومن نہیں ہے۔

اس حدیث میں نبی ﷺ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ بے شک حقیقی مسلمان وہ ہے، جو اپنی زبان اور ہاتھ کو

محفوظ رکھے اور اپنی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کو تکلیف نہ دے نہ خیں گائی دے اور نہ ان کی غیبت کرے اور نہ

انھیں زبان سے تکلیف دے، نہ خیں مارے اور نہ ان کی بے ادبی کرے اور نہ ان کی شان میں کوئی گستاخی کرے

اور نہ اپنے ہاتھ سے ان پر کوئی زیادتی کرے۔

ایک حدیث میں ہے کہ مومن وہ ہے جس سے دوسرے اہل ایمان کی جانبیں اور اموال محفوظ و مامون

ہوں۔ (بخاری)، ایمان کے لحاظ سے کامل مومن وہ ہے جس کا خلق سب سے بہتر ہے۔

مومن پر مومن کے سات حقوق واجب یں جو اللہ کی طرف سے عائد کیے گئے ہیں۔

1: اس کی نگاہوں میں اس کے لئے عرت و تکریم ہو۔ 2: دل میں محبت ہو۔ 3: اپنے مال سے حصہ دے۔ 4: اس کی غبیت نہ کرے۔ 5: اگر وہ بیمار ہو تو اس کی بیمار پرنسی کرے۔ 6: اس کی وفات کی صورت میں اس کے جنازے میں شریک ہو۔ 7: اس کی موت کے بعد اسے بہتر کلمات سے یاد کرے۔

یعنی کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہیں یعنی ندوہ انہیں گالیاں دے، نہ ان پر لعنت بھیجے، نہ ان کی غبیت کرے اور نہ ہی ان کے ماہین کسی قسم کا شر و فرماض پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اسی طرح وہ اس کے ہاتھ سے بھی محفوظ رہیں بایں طور کہ وہ ان پر کوئی خلم نہ کرے، ناقص ان سے ان کے مال نہ لے اور اس طرح کی کوئی بھی زیادتی ان کے ساتھ نہ کرے۔ اور حقیقی مہاجروہ شخص ہے جو انہیں تعالیٰ کی حرام کردہ (امور) کو چھوڑ دے۔

یہ اس شخص کی صفات میں، جس کا اسلام مکمل ہو۔ اور مکمل ہونے کا مطلب یہ کہ مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہیں۔ اور جو کوئی مسلمانوں کو اپنی زبان یا اپنے ہاتھ سے تکلیف دے تو وہ اسلام میں ناقص اور ایمان میں کمزور ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک محبوب و پسندیدہ نہیں ہے۔

عمر شاheed Library  
Umar Shaheed Library  
[www.umarllibrary.org](http://www.umarllibrary.org)

## منافق کی علامتیں

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو: أَنَّ النَّبِيَّ قَالَ: أَرَبَّ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا حَالَصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ حَضْلَةً مِنْهُ كَانَتْ فِيهِ حَضْلَةً مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدْعَهَا: إِذَا أُوتُمْ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ.

”حضرت عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما“ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چار باتیں جس میں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس کے اندر ان میں سے کوئی ایک ہو تو اس میں نفاق کا ایک حصہ ہے، یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔ جب امانت پر دکی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب بھگڑے تو یہودہ بکرے۔“

اس حدیث میں نبی ﷺ نے ہمارے لیے منافق کی چار علامتیں اور نشانیاں بیان کی ہیں تاکہ ہم ان خصلتوں سے دوری اختیار کر سکیں اور بچ سکیں۔

فرمایا: پہلی نشانی:

إِذَا أُوتُمْ خَانَ.

جب امانت پر دکی جائے تو خیانت کرے،

او فرمایا دوسرا نشانی:

وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ.

جب بات کرے تو جھوٹ بولے،

تیسرا نشانی:

وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ.

جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے

چوتھا نشانی

فَإِذَا خَاصَّمَ فَجَرَ.

اور جب جھگڑے تو یہودہ بکے۔“

منکورہ چاروں صفتیں منافق کی صفات میں سے ہیں۔

مومن وہ ہے کہ جب بات کرے تو پچ بولے اور جھوٹ نہ بولے۔ اور جب کسی سے کوئی وعدہ کرے تو اس کیسے ہوتے وعدے کی خلاف ورزی نہ کرے، بلکہ اسے پورا کرے اور اسے نبھاؤ۔ اور جب کوئی اس کے پاس امامت رکھے تو اس امامت کو اس کے پاس لوٹادے اور ٹالا مٹوں بتا خیر اور تردید سے کام نہ لے۔

اسی طرح جب کوئی شخص اسے خبروں میں سے کسی خبر یا کسی راز کی خبر دے اور اس سے اس خبر یا راز کو پوشیدہ رکھنے کے لیے کہے تو وہ اسے پوشیدہ رکھے اور اس کے بارے میں کسی کو خبر نہ دے، یہوں کو اقتدار سے راز خیانت کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ یہیں اس سے محفوظ رکھے۔

نفاق کی اصل یہ ہے کہ منافق کفر کو چھپاتا ہے اور ایمان کو ظاہر کرتا ہے۔ دل میں کفر کے باوجود ایمان کا

دعویٰ کرتا ہے:

وَاللَّهُ يَشْهُدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ

”اور اللہ تعالیٰ شہادت دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ نفاق کی اصل بنیاد جھوٹ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم دونوں کی روایت کو جمع کر میں تو منافق کی پانچ علامتیں بنتی ہیں: 1: بات کرے تو جھوٹ بولے۔ 2: وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے۔ 3: عہد کرے تو توڑا لے۔ 4: امامت دار سمجھا جائے تو خیانت کرے۔ 5: جھگڑے تو بدزبانی کرے۔

اگر غور کریں تو جھگڑتے وقت بدزبانی کرنا پہلی علامت یعنی ”بات کرے تو جھوٹ بولے“ میں شامل ہے اور اس کی ہی ایک خاص صورت ہے کیونکہ عموماً جھوٹ باندھے بغیر بدزبانی مشکل ہے، عہد کرے تو توڑا لے۔ دوسری علامت یعنی وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے، میں شامل ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان یہیں علامتوں کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ اس کی دیانت ہر طرح سے ختم ہو گئی ہے، کیونکہ دیانت تین طرح کی ہوئی ہے، قول میں دیانت، فعل میں

دیانت اور نیت میں دیانت:

1 "جب بات کرے تو جھوٹ بولے" یہ زبان کی بد دیانتی ہے لڑتے وقت بذ زبانی بھی زبان کی بد دیانتی ہے۔

2 "جب وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے" یہ نیت کی بد دیانتی کا اور جھوٹی نیت کا تیجہ ہے، کیونکہ آدمی گناہ گاراں وقت ہے جب وعدہ یا عہد کرتے وقت اس کی نیت ہی وفا کی نہ ہو یا بعد میں وفا کی نیت پر قائم نہ رہے، اگر نیت وعدہ وفا کرنے کی ہے مگر حالات کے باقیوں بے اختیار ہونے کی وجہ سے وعدہ وفا نہ کر کا تو اس پر موقاً غذہ نہیں۔

3 جب اسے امین سمجھا جائے تو خیانت کرے" عمل کی بد دیانتی اور عملی جھوٹ ہے، گیا اس کے ساتھ زبان اور نیت کی بد دیانتی بھی شامل ہو جاتی ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ علمتیں تو بعض اوقات مسلمان میں بھی پائی جاتی ہیں تو کیا اسے منافق قرار دیا جائے گا؟ اس سوال کا جواب کنجی طریقے سے دیا گیا ہے۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں ایک اعتقادی نفاق یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا ایمان ہی نہیں صرف زبانی کلمہ پڑھا ہے، لوگ اسے مسلمان سمجھ رہے ہیں حالانکہ وہ دل سے مسلمان ہی نہیں، یہ نفاق اکبر ہے۔

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ایک آدھ دفعہ ان گناہوں کا ارتکاب کرنٹھے تو آدمی منافق ہو جاتا ہے، کیونکہ مومن سے بھی گناہ سرزد ہو سکتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ یہ گناہ اس کی عادت بن جائیں روزمرہ کا ویرہ ہی یہ ہو تو وہ منافق ہے۔ اور ہربات، ہر عمل اور نیت میں جھوٹ ہی جھوٹ ہو تو ایمان کیسے باقی رہ سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ حق سے ہٹ جانے کی طرف لے جاتا ہے اور حق سے ہٹ جانا آگ کی طرف لے جانا ہے"

## نماز کا چھوڑنا گناہ کبیرہ

عَنْ جَابِرٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ السَّيْرِ لِكَ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَالْتَّرمِذِيُّ.

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے تین کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان اور کفر اور شرک میں نماز نہ پڑھنے کا فرق ہے۔“ اس حدیث کو امام مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

نماز ہر مسلمان بالغ عاقل مرد اور عورت پر فرض ہے، اور کسی شرعی غدر کے بغیر نماز چھوڑنا جائز ہے۔ میں ہے اور کبیرہ گناہ ہے، احادیث مبارکہ میں بے نمازی کے لیے بہت سخت وعید میں آئی ہیں۔ لیکن نماز چھوڑنے کی اس عملی کوتاہی سے وہ شخص کافر نہیں ہو گا اور نہ ہی اس کا نکاح ٹوٹے گا، البتہ وہ سخت گناہ گار ہو گا اور اس پر سچی توہہ کرنا لازم ہو گا۔

کتنی سخت وعید ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے چھوڑنے پر کفر کا حکم لگا رہے ہیں، اگرچہ علماء کرام نے اس کو ”انکار کرنے“ کے ساتھ مقید کیا ہے، یعنی جو شخص نماز نہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کی فرضیت کا بھی انکار کرے وہ کافر ہے، لیکن حضور مصلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی اہمیت ہو گی اور آپ ﷺ سے محبت ہو گی اس کے لئے یہ ارشادات نہایت سخت ہیں، اس کے علاوہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعض ائمہ جماعت کا تو مذہب یہی ہے کہ بلا غدر جان بوجہ کر نماز چھوڑنے والا کافر ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کو اس کبیرہ گناہ سے پیش نہ کی فوکر کرنی چاہئے۔

عَنْ عُمَرَ رضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: لَا إِسْلَامٌ لِمَنْ لَمْ يُصَلِّ.

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس شخص کا کوئی اسلام نہیں جو نمازی نہیں۔“

قَالَ عَلَيْهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: مَنْ تَرَكَ صَلَاةً وَاحِدَةً مُتَعَيَّنَّا، فَقُدْ تَرِيَعَ مِنَ اللَّهِ

وَبِرِّيَ اللَّهُ مِنْهُ۔

”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے جان بوجھ کر ایک نماز چھوڑی، تو وہ اللہ تعالیٰ سے بری ہوا، اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہوا۔“

اس حدیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے فرمان میں کفر سے مراد اترہ اسلام سے خارج کر دینے والا کفر ہے؛ کیونکہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازوں کو مومنوں اور کافروں کے درمیان حدفاصل مقرر فرمایا ہے، اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ ملت کفر اور ملت اسلامیہ دونوں الگ الگ میں لہذا گرتوئی شخص معابدے یعنی نماز کی پابندی نہیں کرتا تو وہ کافروں میں سے ہے۔

اگر کوئی شخص نماز کی فرضیت کا ہی انکار کر دے تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا اور شادی شدہ ہونے کی صورت میں اس کا نکاح بھی ختم ہو جائے گا، اس پر سچی توہہ کے ساتھ تجدید ایمان اور تجدید نکاح لازم ہو گا۔ نماز اہم ترین عبادت ہے، اور ایمان کے بعد تمام فرائض پر مقدم ہے، اور قیامت میں سب سے پہلے اسی کے بارے میں سوال ہو گا، یہ اسلام کی علامت ہے، اور دین کا ستون ہے، گناہوں کی معافی، دل کو نورانی بنانے اور اللہ تعالیٰ کا قرب اور رضا حاصل کرنے کا ہتھرین ذریعہ ہے، نماز کا مرتبہ دین میں ایسا ہی ہے جیسا کہ سرکار رجہ بدن میں لیکن افسوس ہے کہ نماز جتنی اہم ہے ہمارے زمانہ میں اتنی بھی اس سے غلطت اور لاپرواہی کا معاملہ کیا جاتا ہے۔

حضرت نواف بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کی نمازوں ہو گئی وہ ایسا ہے گویا اس کے گھر کے لوگ اور مال و دولت سب چھین لیا گیا ہو۔ یعنی اگر آدمی سے اس کا مال اور بال پچھے سب چھین لئے جائیں اور وہ اکیلا کھڑا رہ جائے تو جس قدر رخ و صدمہ اس حالت میں اس کو ہو گا ایسا ہی صدمہ نماز چھوٹنے میں ہونا چاہیے، کیونکہ نماز کا ضائع کرنا بھی انجام کے اعتبار سے ایسا ہی ہے۔ اور آدمی جس قدر اپنے بال بچوں اور مال و دولت کے ضائع ہونے سے ڈرتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ نماز کے ضائع ہونے سے ڈرنا چاہیے۔

لہذا نماز بہت اہتمام سے اور توجہ سے باجماعت ادا کرنی چاہئے، بغیر معتبر غذر کے جماعت ہرگز نہ چھوڑنی چاہیے اور پوری نماز آرام و طینان سے ادا کرنی چاہیے، جلدی جلدی نہ پڑھنی چاہئے۔ اور جس طرح اپنے

مقام پر باقاعدہ نماز ادا کرنی چاہتے اسی طرح سفر میں بھی نماز پڑھنی چاہتے بعض خواتین و حضرات صحبتیہ میں کہ سفر میں نماز معاف ہے اس لئے وہ نمازوں میں پڑھتے، یہ ناجائز اور بڑا گناہ ہے، کیونکہ سفر کی وجہ سے فرض نمازوں میں قصر ہوتا ہے، لیکن نماز معاف نہیں ہوتی۔  
اللہ پاک سب مسلمانوں کو پابندی سے نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

## اللہ کے نزدیک پسندیدہ اعمال

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قآل: (سَأَلَتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعْلَمُ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ) قآل: الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا. قلت: شَمَّ أَعْلَمُ؟ قآل: بِرُّ الْوَالَدَيْنِ. قلت: ثَمَّ أَعْلَمُ؟ قآل: الْجَهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ. قآل: حَدَّثَنِي يَهُونَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ اسْتَرْدَدْتُهُ لَرَأَدْنِي). [متفرق عليه]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نمازوں کے وقت پر ادا کرنا۔ میں نے پوچھا: اس کے بعد کون سا عمل زیادہ پسند ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ میں نے پوچھا کہ اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہہ اعمال ہیں، جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتائے۔ اگر میں آپ ﷺ سے اور زیادہ پوچھتا، تو آپ ﷺ مجھے اور زیادہ بتاتے۔ صحیح۔ متفق علیہ

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اللہ کی خاطر کیے جانے والے نیک اعمال کے بارے میں دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان میں سے کون سا نیک عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ کیوں کہ عمل جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا، اتنا ہی اس کا ثواب زیادہ ہوگا۔ ہر مسلمان کے دل میں فطری طور پر یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ یہہ جانے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب اور افضل عمل کون سا ہے تاکہ وہ خصوصی اہتمام کے ساتھ اسے بار بار سرخاجام دے کر زیادہ سے زیادہ فضیلت اور اجر کما سکے آپ ﷺ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

قال: الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا.

فرمایا: نمازوں کے وقت پر ادا کرنا۔

کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیاد محبوب عمل فرض نماز کو اس کے شریعت کی طرف سے مقرر کردہ وقت میں ادا کرنا ہے؛ کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بلا وے کو قبول کرنے میں پیش قدمی، اللہ کے حکم کی تعییں اور اس عظیم فرض کے اہتمام کا مظہر ہے انسان جب اذان کی پکار کے جواب میں لبیک کہتا ہوا اپنے تمام کام چھوڑ کر نماز کی ادائیگی کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا اور اپنے شب و روز میں اوقات نماز کا اہتمام اور پابندی کرتا ہے تو یہ خدا کو یاد رکھنے اور اس کے حضور میں حاضری کے لیے ہمدر وقت تیار و مستعد رہنے کی علامت ہوتی ہے گویا کہ بندہ ہر لمحہ اپنے پرو دگار کی پکار پر لبیک کہنے کو تیار ہے اور جیسے ہی بلا وائلے اس کی بارگاہ میں حاضری کے لیے مستعد ہو جاتا ہے اسی لیے اس عمل کو افضل ترین عمل قرار دیا گیا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نیکی میں رغبت رکھنے کی وجہ سے انہوں نے اس پر اکتفا نہ کیا، بلکہ آپ ﷺ نے سے اللہ کے پسندیدہ اعمال میں سے دوسرے درجے کے نیک عمل کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

قلت: ثمَّ أَنْتَ؟

میں نے پوچھا: اس کے بعد کون سا عمل زیادہ پسند ہے؟

قال: يَرِّ الْوَالَّدَيْنِ.

آپ ﷺ نے فرمایا: والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔

والدین کی فرمائیں برداری کرنا۔ پہلائیک عمل محض اللہ کا حق ہے، جب کہ دوسرا محض والدین کا حق ہے اور والدین کے حق کا درجہ اللہ کے حق کے بعد آتا ہے۔ بلکہ اللہ جگہ و تعالیٰ نے تو اسے اتنی اہمیت دی ہے کہ قرآن کریم کے کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ والدین کے حق اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو اپنی توحید کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے؛ کیوں کہ آپ کے وجود کا سبب ہونے، آپ کی تربیت اور پرورش اور آپ پرشفقت و مہربانی کرنے کی وجہ سے والدین کا یقین واجب ہے۔ والدین دنیا میں ایک انسان کے لیے جتنی قربانی دیتے اور جس قدر شفقت و محبت کا مظاہرہ کرتے ہیں دنیا کا کوئی دوسرا رشتہ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ اسی لیے رشتہوں میں والدین کا رشتہ سب سے زیادہ محترم ہے اور انسان کے سب سے زیادہ حسن سلوک اور ادب و اکرام کے متحقی اس کے والدین ہیں۔ والدین جب بوڑھے ہو جائیں، یہ مار ہو جائیں یا ان کی طبیعت اور ان کے رویے میں چڑھڑا ہست پسیدا

ہو جائے تو یہ بعض اوقات انسان کے لیے سخت مشکلات پیدا کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ لیکن ایسے وقت میں بھی سخت تاکید کی گئی ہے کہ ان سے بہر حال ادب و اکرام کا معاملہ کیا جائے اور ان کی نافرمانی اور دل شکنی سے بچا جائے۔ ان لمحات میں والدین کی خدمت کرنا، ان سے حسن سلوک سے پیش آنا اور ان کے ساتھ شفقت و خیرخواہی کا معاملہ کرتے رہنا وقت پر نماز کی ادائیگی کے بعد دوسرا افضل ترین عمل قرار دیا گیا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے مزید سوال کیا، جو (خیر کی بات بتانے میں) بخل نہیں کرتے کہ اہم ترین نیک اعمال کے اس سلسلے میں اس کے بعد والا درجہس نیک عمل کا ہے؟

قللت: ثمَّ أَمَّىٰ؛

میں نے پوچھا: اس کے بعد کون سا عمل زیادہ پرند ہے؟

قال: الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ.

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

دین پر عمل پیرا ہونا، مشکلات اور دقوں کے باوجود دینی احکام و حدود کی رعایت ملحوظ رکھنا، دین کے علم کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا، دین کے فروغ کے لیے ہر طرح کی کوشش کرنا اور اگر موقع ہو تو غدا اور دین کے دشمنوں سے اڑنے کے لیے تواریخانا جیسے سارے کام اس میں آجائے ہیں۔ یہ اسلام کی چوٹی اور اس کا ستون ہے۔ اسی سے اسلام کا وجود ہے اور اسی سے اللہ کا حکم سر بلند ہوتا ہے اور اس کا دین پھیلتا ہے۔ اس کو چھوڑ دینے میں اسلام کا انہدام ہے، مسلمان زوال و اخطا طکا شکار ہوتے ہیں، ان کی عربت جاتی رہتی ہے، ان کا اقتدار چھن جاتا ہے اور ان کی سلطنت و حکومت زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ ہر مسلمان پر تاکید کے ساتھ فرض ہے۔ پس جس نے جہاد نہ کیا اور نہیں اس کے دل میں بندبہ جہاد پیدا ہوا، کویادہ فنا کی ایک ثانی پرمرا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ وہ اعمال ہیں، جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتائے۔ اگر میں آپ ﷺ سے اور زیادہ پوچھتا تو آپ ﷺ مجھے اور زیادہ بتاتے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا انہوں نے حضور کے لیے باعث تکلیف نہ بننے اور آپ کے ادب و احترام کے پیش نظر یہ سوچ کر کیا ہو کہیں سوال جواب کے سلسلے کو مزید طول دینا باعث اذیت ہو جائے۔ تاہم جو باتیں انہوں نے پوچھیں اور جو کچھ حضور نے بتایا، اس میں بھی ہمارے لیے کافی بہن موجود ہے اور ہم جان سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین اور افضل ترین اعمال کون کون سے ہیں۔

## وضو کی ضرورت اور فضیلت

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ سَبَقْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ تَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ فَأَشْبَغَ الْوُصُوْرَيْ ثُمَّ مَشَ إِلَى الصَّلَاةِ الْكُتُوْبَيْ فَصَلَّا هَا مَعَ النَّاسِ أَوْ مَعَ الْجَمَاعَةِ أَوْ فِي الْمَسْجِدِ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ ذُنُوبَهُ

حضرت عثمان سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نارسول اللہ ﷺ فرماتے تھے جس نے نماز کے لئے پورا پوراوضو کیا پھر فرض نماز پڑھنے کے لئے چالا لوگوں کے ساتھ یا جماعت کے ساتھ یا مسجد میں نماز پڑھی اللہ اس کے گناہ معاف فرمادے گا۔ ایک دوسری روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جو مسلمان فرض نماز کا وقت پائے اور اچھی طرح وضو کرے اور خشوع و خصوع سے نماز ادا کرے تو وہ نماز اس کے تمام پچھلے گناہوں کے لئے گناہ ہو جائے گی بشرطیکہ اس سے کسی کبیر گناہ کا ارتکاب نہ ہوا ہو اور یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے:

مَنْ تَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ

جس نے نماز کے لئے پورا پوراوضو کیا

فَأَشْبَغَ الْوُصُوْرَيْ ثُمَّ مَشَ إِلَى الصَّلَاةِ

پھر فرض نماز پڑھنے کے لئے چلا

الْكُتُوْبَيْ فَصَلَّا هَا مَعَ النَّاسِ

لوگوں کے ساتھ یا جماعت کے ساتھ

أَوْ مَعَ الْجَمَاعَةِ أَوْ فِي الْمَسْجِدِ

یا مسجد میں نماز پڑھی

عَفَرَ اللَّهُ لَهُ ذُنُوبَهُ

اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادے گا۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مسلمان بندہ جب وضو کرتا ہے تو گلی کرنے سے موخر کے گناہ گرفتار ہے میں پانی ڈال کر صاف کیا تو ناک کے گناہ بدل گئے اور جب موخر دھویا تو اس کے چہرہ کے گناہ نکلے ہیاں تک کہ پلوں کے نکلے اور جب ہاتھ دھوئے تو ہاتھوں کے گناہ نکلے یہاں تک کہ ہاتھوں کے ناخنوں سے نکلے اور جب سر کا مسح کیا تو سر کے گناہ نکلے یہاں تک کہ کانوں سے نکلے اور جب پاؤں دھوئے تو پاؤں کی خطا میں نکلیں یہاں تک کہ ناخنوں سے پھر اس کا مسجدی طرف کو جانا اور نماز اس سے بھی زیادہ۔ (بخاری و مسلم)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وضو افضل تین عبادتوں میں سے ہے۔ اس حدیث میں وارد وضو کے فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ جس نے وضو کی سنتوں اور اس کے آداب کا لاحاظہ رکھتے ہوئے خوب اچھی طرح وضو کیا، اس کے حقوق اللہ سے متعلق تمام چھوٹے گناہ بدل جاتے ہیں، یہاں تک کہ یہ گناہ ناخنوں کے پیچے موجود جسم کے بارے کی تین حصوں سے بھی بدل جاتے ہیں۔ اسی لیے بندہ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے وضو کے ذریعہ اللہ عزوجل جا ترقی کرنے کی نیت کرے اور ذہن میں یہ بات رکھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قَبْلَتُمُ الصَّلَاةَ فَاغْسِلُوا وُجُوهُكُمْ وَأَيْدِيهِكُمْ إِلَى الْسَّرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَذْجِلُوكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ<sup>٦</sup>  
 (اے ایمان والوجہ تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اپنے موخر اور گہنیوں تک ہاتھوں کو دھوو، اور رسول کا مسح کرو اور ناخنوں تک پاؤں دھوو۔) (سورہ مائدہ: 6)

یہ احساس بھی ہونا چاہیے کہ وہ اپنے وضو کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی اتباع و پیر وی کر رہا ہے اور اسے اس عمل کا ثواب عطا کیا جائے گا؛ تاکہ وہ اسے بہتر طور پر انجام دے سکے۔ قرآن پاک اور احادیث میں بیان کئے گئے وضو کے فضائل پڑھنے کے بعد وضو کی اہمیت اور اس سے حاصل ہونے والے اجر و ثواب کا بخوبی اندازہ لکایا جاسکتا ہے اور جو شخص ہمیشہ باوضور بتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سات خصلتوں کی عربت بخشتا ہے۔

1 وضو کے آداب اور اس کی شرطوں کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب۔ 2 وضو کی فضیلت کا بیان اور اس کا گناہوں کا کفارة ہونا۔ 3 گناہوں کے نکلنے کے لیے شرط یہ ہے کہ وضو بہتر طریقے کیا جائے اور اسے اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باتے ہوئے طریقے کے مطابق انعام دیا جائے۔ 4 وضو کی شرطوں، اس کی سننوں اور اس کے آداب کو سیکھنے کی طرف توجہ دینے اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب۔ 5 فرشتے انکے ساتھ رہنا پرند کرتے ہیں۔ اعمال لکھنے والے فرشتے اسکا سارا وقت عبادت میں لکھتے رہتے ہیں۔ 6 بدن کے تمام حصے تسبیح کرتے ہیں۔ باجماعت نماز اسکی بھی نہیں چھوٹی۔ 7 فرشتے اسکی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جان نکلنے کے وقت کی مشکل کو آسان فرماتا ہے۔ جب تک وضور ہے اللہ تعالیٰ کی امان میں رہتا ہے۔

معاشرے میں رہتے ہوئے ہر انسان اور خاص طور پر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اچھیز دل میں خاص طور پر پاکیزگی، صفائی اور سترہائی کا خیال رکھے:

1 سب سے پہلے انسان اپنی ذات اور اپنے کپڑوں وغیرہ ووصاف رکھے، جس میں درج ذیل چیزوں کا اہتمام کرے: 2 وضو کرتے وقت مسواک اور ہو سکتے تو دن میں ایک آدھ بارٹو تھ پیٹ بھی استعمال کیا جائے، نیز روزانہ یا کم از کم دو تین دن کے بعد غسل کیا جائے۔ 3 ہر ہفتے یا کم از کم چالیس دن گزرنے سے پہلے پہلے جسم پر موجود زائد بالوں کی صفائی کی جائے، ڈاڑھی اور سر کے بالوں کو بھی وقاو فقاد رست رکھنے کا اہتمام کیا جائے اور تیل لگانے کی بھی عادت ڈالی جائے۔ 4 سنت پر عمل کرتے ہوئے ہفتہ یا پندرہ دن کے بعد ناخن کاٹنے کا خاص اہتمام کیا جائے، یکوئک ناخن بڑھنے پر ان میں مٹی اور میل جم جاتی ہے، جس سے یماریاں پھیلتی ہیں۔ 5 صاف سترہ کپڑے پہننے چاہئیں، خصوصاً جب کسی مجلس میں شرکت یا نماز کے لیے جانا ہو تو صاف دھلے ہوئے کپڑے اور خوشیدہ کا خاص طور پر اہتمام کرنا چاہیے تاکہ اس کی وجہ سے کسی دوسرے شخص کو تکلیف نہ ہو۔

Umar Shaheed Library  
www.umarllibrary.org

## جھوٹی حدیث گھڑنے کا و بال

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ (بْنِ مَسْعُودٍ) رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَذَبَ عَلَىَّ  
مُتَعَمِّدًا لِيُضْلِلَ بِهِ فَلَيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَةً مِنَ النَّارِ.

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھتا کہ اس سے لوگوں کو گمراہ کرے تو اسے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں فرمائیا: جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولنا بڑے گناہوں اور عظیم معاشری میں سے ہے، لہذا اب شخص کوئی بات خود سے گڑھے اور یہ دعویٰ کرے کہ یہ نبی ﷺ کا فرمان میں سے ہے تو وہ بہت بڑے گناہ کا کام کرتا ہے اور جو شخص رسول اللہ ﷺ پر پر کوئی جھوٹ کی وضاحت کئے بغیر نقل کرے تو اس نے خلم و زیادتی سے کام لیا اور بہت بڑی گستاخی اور بے ادبی کام مظاہرہ کیا۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ موجودہ دور میں سو شیل میڈیا پر بعض اپنے لوگ بھی نیک ارادہ سے گھری ہوئی حدیثوں کو نشر کرتے رہتے ہیں جبکہ یہ نہایت منکر اور ناپسندیدہ عمل ہے ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس سے بخوبی تلقین اور وصیت کریں۔

رسول اللہ ! ﷺ کافر مان ہے:

میرے اوپر جھوٹ باندھنا ایسا نہیں ہے جیسے کسی اور پر جھوٹ باندھنا ہو پس جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ سے کوئی بات بیان کی اور اسے معلوم ہے کہ وہ جھوٹ ہے تو ایسا شخص دو جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک ہے۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

جال شارح حب رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے اس ارشاد سے ہر دم خوفزدہ رہتے تھے اور آپ ﷺ کا یہ دستور ہمہ وقت ان کی نگاہوں کے سامنے رہتا تھا۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان ہمہ گیری میں اپنی نظری نہیں رکھتا، آپ ﷺ کے اسی ارشاد کا اثر تھا کہ جب ذخیرہ احادیث میں من گھڑت اور ساقط الاعتبار روایات کے ذریعے رخنہ اندازی کی مذموم کوششیں شروع ہو گئیں، تو محمد بن کرام نے احادیث کے صحت و سُقُم کے مابین ”اسناد“ کی ایسی خلچ قائم کر دی، جس کی مثالِ اُمم ساقطہ میں ملنا محاصل ہے، چنانچہ ہر زمانے میں احادیث کا ذخیرہ محفوظ شاہراہ پر گامزن رہا، غرضیکہ روئے زمین پر جہاں کہیں اسلام کا سورج طلوع ہوا ہے، وہ حدیث کے مخالفین خود ساخت لایا ہے۔

لہذا جو لوگ اپنی گھڑی ہوئی باتیں نبی کریم ﷺ کی طرف یا ان کی شریعت کی جانب منسوب کرتے ہیں وہ بھی نبی کرم ﷺ پر جھوٹ باندھنے والوں میں شامل ہیں۔ ہمارے معاشرے میں اس کی ایک عام مثال یہ ہے کہ کچھ لوگ موٹل میڈیا وغیرہ کے ذریعے قرآن پا کے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف یا ان کی لوگوں کو تو غیب دیتے ہیں اور بعض اوقات عامہ کرنے پر جھوٹی وعیدیں بھی بیان کر دیتے ہیں۔ عوامِ manus کو چاہئے کہ آیات و احادیث اور مستند علماء کرام سے تصدیق کروائے بغیر کسی کو مت بھیجنیں، یہ کونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے جیبیں ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے کی وعید بہت سخت ہے۔

جیسا کہ مذکورہ روایت میں حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور اقدس ﷺ کی طرف جھوٹ باندھنے ارشاد فرمایا: ”مجھ پر جھوٹ باندھنا کسی اور پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے، جو محمد پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے گا تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“ (بخاری، بتاب الجناز، باب ما یکرہ من الدیاتۃ علی المیت، ۱/۲۸۳، الحدیث: ۱۲۹۱)

اس لیے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ حدیث کو پیش کرنے میں احتیاط سے کام لے مسادا وہ اس وعید میں دائل نہ ہو جائے۔ جب بھی کوئی حدیث پیش کرنا چاہیں تو معتبر کتاب سے مکمل حوالہ جات اور حدیث کے فی حیثیت کو اجاگر کرتے ہوئے پیش کرے، بلکہ بہتر یہ ہے کسی معتبر عالم سے رجوع کرنے کے بعد حدیث پیش کرے۔ اس طرح متحقق طور پر احادیث کی حیثیت معلوم ہونے سے قبل محض اٹکل اور گمان سے کسی حدیث کے صحت یا ضعف کا فیصلہ کرنا درست نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کی طرف احادیث کو منسوب کرنے سے پہلے ان کی صحت کو جان لیں۔ ہم لوگوں پر یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا فضل و کرم ہے کہ اس دور میں مختلف تکابوں اور معتمدویب سائیٹوں کے ذریعہ احادیث کی جان پر کھکھانا اور ان کی صحت کو جانا ہمارے لئے آسان ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اور اپنے حبیب صَلَّی اللہُ تَعَالَیٰ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی طرف کوئی بھی جھوٹی بات منسوب کرنے سے پنجنے کی توفیق عطا فرمائے ایمن۔

## بڑائی کی حرمت اور سنگینی

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كَيْرٍ (رواہ مسلم۔)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وَشَخْصٌ جَنَّتَ مِنْ نَيْسَنْ جَاءَهُ جَسَّ كَدَلِ مِنْ ذَرَّهُ بِرَأْيِكُبْرٍ پَيَا جَاءَتْ“ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث سننے کے بعد ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آدمی اس کو پسند کرتا ہے کہ اسکا کپڑا اچھا ہو، اس کا جوتا اچھا ہو (تو کیلیہ بھی تکبر ہے) تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جمال والا ہے اور وہ جمال والے کو پسند فرماتا ہے۔ (یہ تکبر نہیں ہے) بلکہ تکبر یہ ہے کہ آدمی حق سے سرفی کرے اور دوسراے لوگوں کو ذلیل سمجھے۔ (صحیح مسلم، بتاب الایمان، باب تحریر الکبر و بیانہ، الحدیث: ۹۱، ج ۶۰)

دین اسلام بہتر اخلاق اور عمدہ خصالی والا دین ہے، اسی لیے دین اسلام نے تواضع اور نرم گوشہ اپنانے کا حکم دیا ہے اور غزوہ و گھمنڈ اور برتری اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث میں نبی ﷺ ان میکبرین کا طرز عمل اپنانے سے روکا ہے، جو لوگوں کو تحریر سمجھتے ہیں اور ان پر برتری جلتاتے ہیں، کیوں کہ تکبر کرنے والے لوگ جنت میں نہیں داخل ہوں گے۔ ہم اللہ سے سلامتی اور عافیت چاہتے ہیں۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كَيْرٍ (رواہ مسلم۔)

اس کا مطلب یہ ہے کہ تکبر ایک نہایت خطرناک معاملہ ہے اگرچہ یہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، بلکہ ایک معمولی ذرہ ہی ہو، یعنی وہ بہت تھوڑی سی مقدار ہی میں کیوں نہ ہو۔

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے تکبر کا معنی بتایا ہے فرمایا:

الْكِبْرُ بَطْرُ الْحَقِّ، وَغَمْطُ النَّاسِ

”تکبر حق کو خرانے، اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام ہے۔“

**بَطْرُ الْحَقِّ**

کا مطلب ہے حق کو رد کر دینا

**غَمْطُ النَّاسِ**

کا مطلب ہے لوگوں کو حقیر جاننا۔

تکبر کہتے ہیں: اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کو حقیر جانا، اور تو اضع کہتے ہیں: اللہ کے واسطے اپنے کو دوسروں سے معمولی سمجھنا۔ تکبر نہایت مذموم اور بری صفت ہے، احادیث میں تکبر پر سخت وعید میں اور مذمیں وارد ہوئی ہیں، ایک حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو تکبر کرتا ہے، وہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل و معمولی ہوتا ہے اگرچہ وہ اپنی نظر میں بڑا ہو؛ بلکہ ایسا شخص لوگوں کی نظروں میں بتایا خشنزیر بھی سے زیادہ ذلیل اور معمولی ہو جاتا ہے (مشکوٰۃ شریف، ص: ۳۳۸، مطبوعہ: مکتبہ اشرفیہ دیوبند، بحوالہ: شعب الایمان للیہقی)

اور تو اضع ایک اچھی صفت ہے، احادیث میں اس کی تعریف کی گئی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کے لیے قاضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے سر بلند فرماتے ہیں اور وہ اپنی نظر میں اگرچہ چھوٹا ہوتا ہے؛ لیکن لوگوں کی نظروں میں قابلِ اعظمت و احترام ہوتا ہے (مشکوٰۃ شریف، ص: ۳۳۶، بحوالہ: شعب الایمان للیہقی)۔

پس جب ہم نے یہ جان لیا کہ بے شک تکبر ایک بڑا انکار اور گھٹیا خصلت ہے تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ اس سے دوری اختیار کریں اور ایسے پاکیزہ اعمال بجالائیں جو ہمیں تکبر سے دور رکھیں۔ فقیروں، ضعیفوں اور نوکروں وغیرہ سے محبت کریں، ان سے لطف و مہربان سے پیش آئیں، ان کا غاص خیال رکھیں، اور ان کے لیے زم پبلو اپنائیں، کیوں کہ یہ باتیں دل کو پاک و صاف رکھتی ہیں اور نفس کو غزوہ برتری اور تکبر وغیرہ سے بری کرنی ہیں۔ اور آدمی اپنی حیثیت سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور بکریائی کا تصویر کرے، اس سے ان شاء اللہ تکبر ختم

ہوگا اور تو واضح و انکساری پیدا ہوگی۔ اور ایک علاج یہ بھی ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ اصل اعتبار خاتمہ کا ہے، معلوم نہیں کہ اس خاتمہ کس حال پر ہوگا؟

اور تو واضح حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی آخرت کو ہر وقت مد نظر رکھنے کی کوشش کرے اور اپنے خاتمہ کے سلسلہ میں فکر مند رہے۔ اور مزید تفصیل کے لئے "اور حضرت حکیم اختر صاحب رحمہ اللہ کی کتاب "روح کی بیماریاں اور ان کا علاج" کا مطالعہ کیا جائے۔

## قرآن سیکھنے سکھانے کی فضیلت

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ))خَيْرٌ كُلُّ مَنْ تَعْلَمَ الْقُرْآنَ وَعَلَيْهِ (رواہ البخاری.

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو خود (قرآن سیکھے اور اسے) دوسروں کو (سکھلانے) سے بخاری نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث قرآن کریم کے سیکھنے اور سکھلانے کی اہمیت کو جاگر کرتی ہے۔ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس بات کی خبر دی ہے کہ جو لوگ قرآن کو سیکھتے اور سکھلاتے ہیں، وہ لوگوں میں سب سے بہترین اور اچھے لوگ ہیں۔

قرآن مجید سیکھنے والے کو اللہ تعالیٰ چار نعمتوں سے نوازتے ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم، سنن ابو داؤد و ترمذی اور مسنند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب کچھ لوگ اللہ کے گھر (مسجد) میں جمع ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے پڑھتے پڑھاتے ہیں تو: 1 ان پر سلیمان نازل ہوتی ہے۔ 2 اللہ کی رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے۔ 3 فرشتے انھیں احتراماً ہیگرے میں لے لیتے ہیں: 4 اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان کے پاس کرتے ہیں جو اس کے پاس میں (یعنی فرشتے) اور (یاد کھو!) جس شخص کو اس کے عمل نے پچھے کھا اس کا نسب اس کو آگئیں کر سکے گا۔“

”انسان کے مرنے کے بعد اس کے اعمال اور اس کی نیکیوں میں سے جو چیزیں اسے نفع پہنچاتی ہیں وہ یہ ہیں: 1 علم جو اس نے دوسروں کو سکھایا اور پھیلایا۔ 2 نیک اولاد جو اس نے اپنے پچھے چھوڑی۔ 3 (قرآن کے) علم کا کسی کو داراث بنایا۔ 4 مسجد تعمیر کی ہو۔ نہر (نہاد یا نکا وغیرہ جیسی کوئی چیز) جاری کی ہو۔ 7 اور صدقہ جو اپنے مال سے اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں نکالا ہو۔ یہ تمام چیزیں انسان کے مرنے کے بعد بھی اسے

فائدہ پہنچاتی رہتی ہیں۔

اپنی اولاد کو قرآن مجید کی تعلیم دلانے والے والدین کو قیامت کے روزدواجیے قیمتی لباس پہنانے جائیں گے جن کے سامنے دنیا و مافیہا کی ساری دولت پیچ ہوگی۔ اور قرآن مجید زبانی یاد کرنے والے کی جنت میں تاچبوثی کی جائے گی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں جنت کی بادشاہت کا پروانہ اور بائیں ہاتھ میں جنت میں ہمیشہ رہنے کا پروانہ عطا کیا جائے گا۔ بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینا اصول اسلام میں سے ہے کیونکہ بچوں کی پروش فطرت سلیمانہ پڑھوتی ہے لہذا ان کے دل خواہشات کی آماجگاہ بننے اور معصیت و گمراہی کی سیاہی سے پہلے حکمت کے انوار سے پڑھوتے ہیں۔ پس چھوٹے بچوں اور بچوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ بچپن ہی سے انہیں قرآن مجید کی تعلیم پڑھاں دیا جائے تاکہ ان کا یہ پہنچنہ عقیدہ قائم ہو کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ان کا رب ہے اور قرآن مجید اس کا کلام ہے۔ اور یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس سے ان کے دلوں میں قرآن مجید کی محبت راخ ہوگی اور ان کے اذہان، افکار، صلاحیتیں اور جو اس اس کے نور سے روشن ہوں گے۔ اس طرح ہم بچپن میں ہی قرآنی عقائد سیکھ لیں گے اور ہماری پروش قرآنی اخلاق کی روشنی میں ہوگی۔ ہم اس کے احکامات پر عمل اور اس کے نوابی سے اجتناب کریں گے۔ اور یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ بچپن کا حفظ پہنچنہ ہوتا ہے اور دیر تک یاد رہتا ہے اور دل میں گھس جباتا ہے اور نفس پر اس کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے۔

آج قرآن مجید کے ساتھ ہمارے اعراض کا حال یہ ہے کہ پاکستان میں حکومت کے کنٹرول میں موجود ذرائع ایبار غیر کوفی خاشی اور بے حیائی پھیلانے کے لیے تودن راث کے چوبیں گھنٹے میسر ہیں، اگر نہیں تو قرآن مجید کی آیات سیکھنے سکھانے کیلئے چند منٹ کا وقت بھی میسر نہیں۔

سکولوں اور کالجوں میں ہر طرح کا نصاب پڑھانے کے لیے اساتذہ میسر ہیں اگر نہیں تو قرآن مجید پڑھانے کے لیے قزاء میسر نہیں۔ عوامی سطح پر قرآن مجید سے اعراض کا حال یہ ہے کہ گھروں اور دکانوں سے، کھیتوں اور کھلیانوں سے، تفریح گاہوں اور پارکوں سے، ویکاؤں اور بسوں سے ہر وقت غلیظ، گندے اور پچرا کانوں کی بے ہنگم آواز میں توہر وقت سنی جاسکتی ہیں، لیکن قرآن مجید کی تلاوت کی آواز کہیں سے سنائی نہیں دیتی۔ الا مَا شَاءَ اللّٰهُ اس لیے ہر مسلمان مرد اور عورت کو چاہیے کہ وہ قرآن سے لگاؤ رکھتے ہوئے تلاوت قرآن کا اہتمام کریں، اسے سیکھنے، اور اس کے تلفظ کو صحیح ادا کرنے اور اس میں مہارت پیدا کرنے کی حوصلہ اور لائچھے کیں اور اسے

دوسرا کوکھلانے میں سا جھی داربینیں۔

سب سے بہترین اور نفع بخش بات یہ ہے کہ: قرآن تکھنے کی عرض سے مدارس و ادارے اور مساجد میں  
قائم ہونے والی قرآنی حلقات میں داخلہ لیا جائے۔ اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ ہدایت، بخلافی اور نور کی راہ پر ہے۔

## دوسنیدہ کے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَلِمَتَانِ  
 حَفِيفَتَانِ عَلَى الْلِّسَانِ، تَقِيلَتَانِ فِي الْوِيزَانِ، حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ: سُجَّانَ اللَّهِ وَبَمْدِهِ  
 سُجَّانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔ متفق عليه.

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو لکے ایسے ہیں جو زبان پر  
 بلکے ہیں، میزان میں بھاری ہیں، رحمان و محبوب ہیں: سبحان اللہ و محمد۔ سبحان اللہ العظیم۔ متفق علیہ  
 نبی کریم ﷺ نے ہمیں بکثرت ذکر کرنے پر ابھارا ہے اور اس کی اہمیت و فضیلت کو بیان کیا ہے اور  
 ہمارے لیے صحیح و ثابت، ہونے اور جانے کے اذ کار کو مشروع قرار دیا ہے۔ بھاری شریف کی آخری حدیث ہے کہ  
 دو لکے ایسے ہیں جو زبان پر بہت بلکے ہیں، لیکن ثواب کے اعتبار سے بہت وزنی ہیں اور اللہ کے نزدیک بہت  
 پسندیدہ ہیں، وہ دو لکے یہ ہیں: ”سبحان اللہ و محمد۔ سبحان اللہ العظیم۔“  
 بعض اذکار عام میں: جنہیں کسی وقت کی تعین اور تعداد کی تحدید یکے بغیر ہر وقت پڑھنا مسلمان کے لیے  
 منتخب ہے۔ انہی عالم اذکار میں سے چند یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللَّهِ، الحَمْدُ لِلَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا حُوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

اور انہی اذکار میں سے یہ دونوں عظیم کلمات) بھی (میں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک صحابی کو فرمایا: کیا میں تجھے اللہ کی پسندیدہ کلام کی خبر نہ دوں؟ (وہ  
 صحابی کہتے ہیں) میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اللہ کی پسندیدہ کلام کی خبر دیں تو آپ صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے جواب دیا: بے شک اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ کلام سبحان اللہ و محمد ہے۔  
 ”سبحان اللہ و محمد، سبحان اللہ العظیم“ اور نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ بتلا�ا ہے کہ یہ دونوں اذکار (تین

خوبیوں سے ممتاز ہیں: یہ دونوں) کلمے (زبان پر لہلے ہیں، اس لیے انسان بہت آسانی بغیر کسی مشقت کے ان کو دھرا سکتا ہے  
یہ دونوں) کلمے میزان میں بھاری ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ: جو شخص ان دونوں کلمات کو کہے، اس کے لیے ایسا عظیم اجر ہے کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس کی نیکوں کے ترازو و بھردا رے۔ یہ دونوں) کلمے (رحمان کے نزدیک محبوب ہیں۔

لغو خفیہ ان میں اس بات کا اشارہ ہے کہ ان کلمات کے الفاظ اور حروف خفیہ اور خوش نمائیں اور خفت سہولت پر دلالت کرتی ہے۔ زبان پر جاری ہونے کی سہولت کا مطلب یہ ہے کہ یہ کلمات اپنے حامل (ان کا ذکر کرنے والے) کو قلیل چیز کی طرح تحکاٹ نہیں نیز یہ بھی اشارہ ہے کہ نفس پر تمام ذمہ دار یا شاق اور قبیل ہیں لیکن یہ کلمات آسان ہیں، اس لیے قیامت کے دن ترازو میں بہت وزنی ہوں گے۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں پسند فرماتا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں کلمات نہایت ہی اہمیت اور عظمت کے حامل ہیں۔

رسول ﷺ نے اس حدیث میں اس بات کی خبر دی ہے کہ ہمارے رب حمَن تبارک و تعالیٰ کو دو کلمے بڑے پسند ہیں کہ حن کے حروف بہت کم میں لیکن میزان میں بڑے وزنی میں اور وہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“، سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ“ ہیں۔ کیوں کہ یہ کلمات اللہ تعالیٰ کی تسبیح، اور نقاص سے اس کی پاکی اور ایسی چیز سے مُسْرِّہ اور میزا ہونے کا مطلب ہے: اے اللہ! میں تجھے ہر قسم کی برائی اور تمام نقاص سے پاک جاتا، مانتا ہوں۔ جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی جلالت شان کے ثایاں شان نہیں۔ اور اس پاکیزگی کی تاکید عظمت کے وصف کے ذریعہ کی گئی ہے۔

قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور پاکی بیان کرنے کا بار بار حکم دیا گیا ہے، لہذا منذکورہ کلمہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ“ چوں کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور پاکی بیان کرنے پر مشتمل ہے؛ اس لیے اس کے پڑھنے سے قرآن و حدیث کے ان تمام امر کی بجا آوری لازم آنے کے ساتھ ساتھ ان کلمات کا کہنے والا ان تمام فضائل کا مُتْحَق بھی بتتا ہے جو عمومی طور سے اللہ تعالیٰ کی پاکی اور حمد بیان کرنے (یعنی سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنے) کے بارے میں وارد ہوتے ہیں،

لہذا اُنہی تمام خوبیوں اور خصوصیتوں کی وجہ سے ہم کو ان دونوں عظیم کلمات کا اور ان کے علاوہ دیگر مطلق

اذا کار کا اہتمام کرنا چاہیے، ہمیں اس کا حریص ہونا چاہیے نیز ہر وقت اور ہر حال میں کثرت سے ان کا ورد کرتے رہنا چاہیے تاکہ ہم بزرگ و برتر اور مہربان رب سے عظیم ثواب پاسکیں۔

## تین اہم صیانتیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ:(...) أَوْصَانِي خَلِيلِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَلَاثٍ  
بِصِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَرَجُعَيِ الْضُّجُّ، وَأَنْ أُوتِرَ قَبْلَ أَنْ أَنَا مَمْ(متفق عليه)  
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”میرے غلیل (نبی ﷺ نے مجھے تین باتوں کی وصیت  
فرمانی: ہر ماہ تین دن روزہ رکھوں، چاشت کی دور کعت ادا کروں اور یہ کہ سونے سے پہلے میں و ترا دا  
کروں۔ (متفق عليه)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بزرگ صحابی ہیں، رسول اللہ ﷺ کے مقرب ہیں، وہ ہمیں نبی ﷺ کی  
وصیت کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: میرے غلیل نے مجھے وصیت فرمائی۔ اور حدیث میں  
وارد لفظی جیسی کی طرح ہے، لیکن غلیل (شدید محبت پر دلالت کرتا ہے، اور یہ لفظ) جیسی (سے زیادہ بلطف اور قوی  
ہے۔) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (فرماتے ہیں کہ: میرے دوست نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی:  
پہلی وصیت: ہر ماہ تین دن کاروزہ رکھنا۔ ہر ماہ تین دن روزہ رکھنا عظیم سنت اور بڑی فضیلت کا کام ہے۔  
نبی ﷺ یہ بتایا ہے کہ ہر ماہ تین دن روزہ رکھنا کو پیاپورے سال کاروزہ رکھنا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر اس  
کے فضل و کرم کی وجہ سے ہے۔ اس سے مقصود نفلی روزہ ہے۔ اس کے رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان ہر ماہ تین دن کا  
روزہ رکھے، چاہے تین دن مسلسل ہوں، یا متفرق ہوں۔ چنانچہ ترمذی شریف میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا: ”جس نے ہر مہینہ تین روزے رکھے گویا کہ اس نے صوم الدہر یعنی پوری زندگی مسلسل روزے  
رکھے۔ ان احادیث کے اطلاق اور ظاہر کا تقاضا ہے کہ یہ فضیلت پورے مہینے میں کسی بھی موقع پر مسلسل یا متفرق طور  
پر تین روزے رکھنے سے حاصل ہو جائے گی۔ البتہ کوئی تین روزے لگاتا رکھنا چاہے تو وہ ایام بیض یعنی ہر قری مہینے  
کے تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو رکھے۔ سنن نسائی کی ایک روایت میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے  
ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایام بیض کے تین دن یعنی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو رکھنے کا حکم  
فرمایا۔ ایام بیض یعنی ہر قری مہینے کے تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو رکھنے سے پہلی قسم کی احادیث میں وارد

فضیلت بھی حاصل ہو جائے گی۔ اس لیے افضل یہ ہے کہ ہر مہینے کے تین روزے ایامِ بیض یعنی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو رکھے جائیں۔ البتہ ماہِ ذی الحجه میں چونکہ تیرہ تاریخ کو (ایامِ تشریعیت میں داخل ہونے کی وجہ سے) روزہ رکھنا شرعاً ممنوع ہے، اس لیے ذی الحجه میں ایامِ بیض کے روزے نہیں ہو سکتے۔ لہذا ذی الحجه میں تیرہ تاریخ کی جگہ سولہ تاریخ کو یابعد میں کسی تاریخ کو روزہ رکھلیا کریں۔

دوسری صلاۃ چاشت کی وصیت۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی میں کہ رسول اللہ ﷺ صلاۃ الصبح (نماز چاشت) چار

ركعت پڑھتے تھے اور جتنا اللہ چاہتا زیادہ کرتے تھے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل کا چاشت کی نماز چار رکعت پڑھتے اور ہر دو رکعت پر سلام پھیر دیتے تھے۔ پھر انہوں نے ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل اپنی قدرت و چحتی کے بقدر چار رکعت سے زیادہ بھی پڑھتے تھے۔ صلاۃ چاشت دو یا اس سے زیادہ رکعت ہیں، جو چاشت کے وقت درمیان صبح میں ادا کی جاتی ہیں لہذا مسلمان کے لیے منتخب ہے کہ وہ دو یا چار یا اس سے زیادہ رکعت، چاشت کے وقت ادا کرے، کیوں کہ اس کا بہت ثواب ہے اور اس کی بڑی فضیلت ہے۔ چاشت کی نماز کو حدیث شریف میں "صلاۃ الصبح" کہا گیا ہے، نماز چاشت کا وقت آقبل کے خوب طلوع ہو جانے یعنی ڈیڑھ گھنٹہ بعد شروع ہوتا ہے۔ اور طلوع آقبل اور آغازِ نور کے درمیان کل وقت کا آدھا حصہ گزر جائے تو یہ چاشت کے لیے افضل وقت ہے۔

تیسرا وصیت: وتر کی وصیت۔

ہمیں نمازوٰت کی خاص پابندی کرنی چاہیے؛ یوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر و حضر ہمیشہ نمازوٰت کا اہتمام فرماتے تھے، یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازوٰت پڑھنے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے حتیٰ کہ فرمایا کہ اگر کوئی شخص وقت پر وتر نہ پڑھ سکتے تو وہ بعد میں اس کی قضا کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کو وتر کی ادائیگی کا حکم متعدد مرتبہ دیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی روشنی میں فہماء نے نمازوٰت واجب قرار دیا ہے، نمازوٰت کا ہمیشہ اہتمام کرنا چاہیے۔ الغرض! عملی اعتبار سے امت مسلمہ متفق ہے کہ نمازوٰت کی ادائیگی کرنی چاہیے اور وقت پر ادا کرنے پر اس کی قضا بھی کرنی چاہیے۔ نمازوٰت کا وقت عشاء کی نمازوٰت کے بعد سے طلوع صبح ہونے تک رہتا ہے، رات کے آخری حصہ میں نمازوٰت بجہ پڑھ کر نمازوٰت کی ادائیگی افضل ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معمول بھی یہی تھا؛ البتہ وہ حضرات جو رات کے آخری

حصہ میں نمازِ تہجد اور نمازوں کا اہتمام ہمیں کر سکتے ہیں تو وہ سونے سے قبل ہی وڑادا کر لیں۔ فرض نمازوں کے ساتھ میں نمازوں کا غاصب اہتمام کرنا چاہیے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کے اقوال و افعال کی روشنی میں ذکر کیا گیا ہے۔ نیز سنن ووافل کا بھی اہتمام کرنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہو جائے۔ نیز اگر خداخواست قیامت کے دن فرض نمازوں میں کچھ کمی نکلو تو سنن ووافل سے اس کی تکمیل کر دی جائے، جیسا کہ احادیث میں ذکر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نمازوں کا اہتمام کرنے والا بنائے اور ہماری نمازوں میں خشوع و خضوع پیدا فرمائے؛ تاکہ ہماری نمازوں میں دنیا میں ہمیں برائیوں سے روکنے کا ذریعہ نہیں اور قیامت کے دن جہنم کی آگ سے بچانے کا ذریعہ نہیں۔

## مسجدہ قریب الہی کا باعث ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: )) أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ، فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءِ۔ (رواہ مسلم)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بندہ اپنے رب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے لہذا تم اس میں (کثرت سے دعا کرو)“ (اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کو مختلف قسم کی نیکیوں اور طاعات کے ذریعہ اپنا تقرب حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے قریب کرنے والے اعمال میں سب سے بڑا عمل نمازوں کو فراخض و نوافل کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ جب مسلمان اپنی نمازوں میں داخل ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہوتا ہے۔

عبدۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سن: ”جب بھی کوئی بندہ اللہ کے لیے سجدہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتے ہیں، اس کا ایک گناہ مٹا دیتے ہیں اور ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں۔ چنانچہ تم سجدوں کی کثرت کیا کرو۔“ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرنا افضل ترین طاعت اور انہ کے تقرب کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ کیوں کہ اس میں اللہ کے لیے انتہا درجے کا تواضع اور عبودیت ہوتی ہے اور اس میں انسان کے سب سے زیادہ باشرفت اور سب سے اعلیٰ عضو یعنی اس کے پھرے کو روندی جانے والی حقیر مٹی پر رکھا جاتا ہے۔ سجدے سے مراد یہاں وہ سجدے ہیں جو نمازوں میں آتے ہیں، نہ الگ سے سجدے۔ الگ سے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کی مشروعت پر کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔ عبادات میں اصل ممانعت ہے۔ البته اس سے وہ سجدے ممکنی ہیں، جو کسی سبب کی وجہ سے ہوتے ہیں، جیسے سجدہ تلاوت یا سجدہ شکر۔ کیوں کہ شریعت میں ان کا ذکر ہے۔ پھر آپ ﷺ نے وضاحت کی کہ جب انسان سجدہ کرتا ہے تو اسے کیا اجر ملتا ہے اور وہ یہ ہے کہ

اسے دو بہت بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں۔ یعنی خود اللہ کے یہاں اور لوگوں کے دلوں میں اس کی منزلت بڑھ جاتی ہے۔ آپ جب کوئی نیک عمل کرتے ہیں، تو اس میں بھی یہی ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کا ایک درجہ بڑھادیتے ہیں۔ دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے آپ کا ایک گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ ناپندریدہ اشیا کے زائل ہونے اور محظوظ اشیا کے حصول سے انسان کو کمال حاصل ہوتا ہے۔ رفع درجات کو انسان پسند کرتا ہے اور گناہوں سے نفرت کرتا ہے۔ چنانچہ جب اس کا ایک درجہ بڑھتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے، تو اسے اپنا مطلوب مل جاتا ہے اور حس بات کا سے ڈر ہوتا ہے، اس سے اس کی نجات ہو جاتی ہے۔

پوری نماز بندہ مومن کو اللہ سے قریب کرتی ہے، مگر اسی کے ساتھ سجدہ کے دوران بندہ اللہ سے قربت کی سب سے بڑھ کر حالت میں ہوتا ہے، اس لیے کہ بندہ سجدہ میں اپنے رب کے سامنے جھکتا ہے اور اس کی تسلیم و تقدیم کرتا ہے اور وہ خنوع و عاجزی اور محتاجی کی حالت میں اپنے رب کو پکارنے والا ہوتا ہے۔

اسی لیے سجدے یقینی طور پر دعا کی قبولیت کے مقامات میں سے میں۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے صحیح مسلم کی روایت کردہ ایک دوسری حدیث میں فرمایا: ”سجدہ کی حالت میں خوب دعا کرو یونکہ یہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تمہاری دعا بقول کر لی جائے۔“

اس لیے سجدہ کو لمبا کرنا مستحب ہے۔ سجدہ کی حالت میں کثرت سے دعا کا اہتمام کرنا چاہیے، کیوں کہ سجدہ سے اور دعائیں، دنیا اور خیرت میں کامیابی اور بخلانی کے عظیم ترین اسباب میں سے ہے۔ یہ نابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اقدس نے فرمایا: ”در اصل بندہ سجدے کی حالت میں اپنے رب سے بہت نزدیک ہوتا ہے، لہذا (سجدے میں) بہت دعا کرو“ (مسلم)

عبدیت کی انتہاء کا نام ہے جس انتہاء پر قرب خداوندی جیسی انمول نعمت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے: **وَأَسْجُدُ وَأَقْرِبُ**۔ سجدہ مجھے اور قرب خداوندی کو حاصل کیجیے۔

سجدہ کرنا عبدیت اور سجدہ نہ کرنا ملکیت اور نکبر کی علامت ہے۔ غالباً حکم کے مطابق سجدہ کرنا ملکہ کا شیوه ہے جبکہ غالباً حکم سے دور ہو کر سجدہ نہ کرنا نیٹھانی طرز ہے۔ اسی سے فرمانبردار اور فرمان میں فرق ہو جاتا ہے۔ اللہ کریم کی بارگاہ میں سجدے کرنے والے فرمانبردار اور حکم خداوندی کو پس پشت ڈال کر سجدہ نہ کرنے

والے شیطان کے پیر و کار میں۔ سجدہ قرب الٰہی کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ تو بندے سے ہر حال میں نزدیک ہوتا ہے، لیکن سجدے کی حالت میں بندہ اس کے بہت نزدیک ہو جاتا ہے۔ سجدہ قرب الٰہی اور جنت میں جانے کا ذریعہ ہے۔ سجدوں کی کثرت بہشت میں نبی کریم ﷺ کی رفاقت کا باعث ہے۔

## مومن کو لعن طعن کرنا

عَنْ ثَابِتِ بْنِ الْضَّحَّاكِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : )لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ( (متفق عليه).

سیدنا ثابت بن خاکار نبی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن پر لعن کرنا اُسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔“ (متفق عليه)

لعن کرنا ایک عظیم گناہ اور بڑی معصیت کا کام ہے۔ بے شک ہمارے نبی کریم ﷺ نے ہمیں لعن طعن کرنے سے ڈرایا ہے اور بہت ساری احادیث میں ہمیں اس سے روکا ہے اور انہی احادیث میں سے یہ حدیث بھی ہے، جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ”مومن پر لعن کرنا اُسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔

نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ: ”تم اللہ کی لعنت اور اس کے غصب کے ذریعے آپس میں ایک دوسرے کو لعنت نہ کرو۔“ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔  
نبی کریم ﷺ نے یہ بتلایا ہے کہ: ”جب آدمی کسی شخص پر ناحق لعنت بھیجا ہے تو ایسی صورت میں وہ لعنت اس پر واپس آجائی ہے۔“ یعنی وہ لعنت اس کے کہنے والے پر لوث جاتی ہے۔ اسے ابو داؤد نے اپنی سنن میں حسن مند سے روایت کیا ہے۔ اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ بن سلمہ بن اکو رضی اللہ عنہ سے جید مند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”جب ہم کسی شخص کو اپنے بھائی پر لعنت کرتے دیکھتے تو ہم اسے کباڑا ارتکارب کرنے والا سمجھتے۔“

لعن سے مراد ہے کہی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کی بد دعا کرنا۔ احادیث مبارکہ میں لعن طعن کرنے سے ممانعت وارد ہوئی ہے، حضرت سمرہ بن جنبد رضی عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آپس میں ایک دوسرے پر اللہ کی لعنت، غصب اور دوزخ کی پھٹکار نہ پہنچو۔“

اسی طرح حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "طعن کرنے والا، کسی پر لعنت پھینے والا، خش گوئی کرنے والا اور بد تیزی کرنے والا مومن نہیں ہے۔ (یعنی مسلمان کی یہ صفت نہیں ہے)۔"

یہ ممنوعیت خاص اور معین اشخاص کے اعتبار سے ہے، پس عام اوصافِ مذموم سے لعنت پھیننا جائز ہے۔ متعین کیے بغیر اہل معاشری پر لعنت پھیننا جائز ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ سودخور پر لعنت فرمائے۔ اور آپ ﷺ نے تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ زمین کی حدود میں روبدل کرنے والے پر لعنت فرمائے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو اپنے والدین پر لعنت پھینتا ہے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اس شخص پر لعنت فرمائے جو اللہ کے علاوہ کسی اور کیلئے جانور ذبح کرے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اس (مدینہ) میں کوئی بدعت اسجاد کی یا کسی بدعت کو پناہ دی، پس اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت فرمائے۔ انہوں نے اپنے انیسی کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔ اور آپ نے ان مردوں پر لعنت کی جو عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے ہیں اور عورتوں پر لعنت کی جو مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہیں۔ یہ تمام جملے جو مذکور ہوتے ہیں صحیح احادیث میں ہیں، ان میں سے بعض تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں ہیں اور بعض کسی ایک میں ہیں، میں نے ان کی طرف اشارہ کرنے میں اختصار سے کام لیا ہے۔

یعنی دین اسلام کسی معین کافر کو بھی کالی گلوچ اور لعن طعن کرنے سے منع کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عام طور پر کسی خاص گروہ پر لعنت پھیننا جائز ہے مگر اللہ اور رسول ﷺ سے محبت رکھنے والے کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو عام کر دیا ہے دنیا میں تو کافر مسلمان، دوست اور دشمن سب کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہے، پس مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ لعنت سے بد دعا دینے کی عادت بنالے اور متعینہ افراد کو لعنت سے بد دعا دینے لگے اور البتہ مطلقاً لعنت کا جواز موجود ہے لیکن وہ بھی صرف جواز ہے۔ اور اسے عادت بنالینا منوع و ناجائز ہے۔ نہایت ہی افوس اور تکلیف وہ بات ہے کہ بہت سارے مسلمانوں کے درمیان لعنت کرنا عام ہے۔ اس لیے ہم سب پروا جب ہے کہ ہم سب لعن طعن سے احتساب کریں، خود بھی اس سے پہنچیں اور دوسروں کو بھی اس سے پہنچنے کی سختی کے ساتھ تلقین کریں۔

## سیلا ب ز دگان آپ کی مدد کے منتظر ہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ قَالَ: وَمَنْ يَسْتَرْ عَلَىٰ مُعْسِرٍ، يَسْتَرْ إِلَهٌ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا  
 وَالْآخِرَةِ.

رسول اللہ ﷺ کا فرمان: اور جس نے کسی مشکل میں پڑے شخص کے لیے آسانی کی اللہ اس کے لیے دنیا  
اور آخرت میں آسانی کرے گا حوالہ: سُنَّ ابی داؤد. حدیث نمبر: 4946

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بنی کریمہ نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کی  
ضرورت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرے گا جو شخص کسی مسلمان کی ایک مصیبت کو دور کرے اللہ  
تعالیٰ اس کی قیامت کی مصیتوں میں سے ایک بڑی مصیبت کو دور فرمائے گا۔ (صحیح البخاری: 2442)

ملک اس وقت خطرناک سیلا ب کی زد میں ہے۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان کو اس وقت کئی  
دہائیوں کے بعد خطرناک تین سیلا ب کا سامنا ہے، سیلا ب اور بارشوں نے کئی علاقوں کو ملبے کے ڈھیر میں تبدیل  
کر دیا ہے، مکانات منہدم، بھرپوری فصلیں تباہ ہو چکی ہیں۔ متاثرین کے پاس نہ اوڑھنے پھرانے کو ہے اور نہ ہی  
کھانے پینے کا سامان، مدد کے منتظر متاثرین دکھا اور بے بھی کی تصویر بن چکے ہیں۔ فوری ضرورت یہ ہے کہ سیلا ب  
ز دگان کی ہر طرح سے مدد کی جائے اور یہ صرف حکومت کی ہی ذمہ داری نہیں ہے، متمول افراد، خجی اداروں کو  
بھی اس سلسلے میں آگے آنا چاہئے۔ ایک لمحے کے لئے سوچنے کے سیلا ب ز دگان کی جگہ ہم اور آپ ہوتے تو کیا ہوتا؟  
آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ان کی مدد کی جانی چاہئے یا نہیں، مصیبت کی بھی وقت کسی پر بھی آسکتی ہے۔ آج اگر ہم  
دوسروں کی مدد کریں تو کل کو پروردگار کی منسلکے میں ہماری بھی نصرت فرمائے گا۔

تمام مذہبی جماعتوں اور تاریخی ٹیکسٹوں نے اپنے محدود مالی وسائل کے باوجود سیلا ب ز دگان کی ہر طرح  
مدد کرنے کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہیں ہیں اور اپنے کارکنان کو بھی سیلا ب ز دگان کی دستگیری کے لیے  
گھرے پائیوں میں بھجوا کھاہے۔ انسانیت کا در در کھنے والے یہ کارکنان رات کے اندر ہرے دیکھ رہے ہیں نہ گلے

گلے تک پھیلے کچڑو سیلابی سمندر کی پروار کر رہے ہیں۔ اور بڑے افسوس کا مقام ہے کہ پاکستان کے الی زراور دو تین سیاستدانوں و حکمرانوں نے سیلا ب زدگان کی مدد امداد کے لیے اپنی تجویزوں کے منہ نہیں کھولے ہیں۔ جس پاکستان سے ان حکمرانوں نے اربوں روپیہ ”کما“ کراپنی تجویزیں بھسری ہیں، آسی پاکستان اور اس کے مصیبت زدہ عوام کی دستگیری اور اعانت کرتے ہوئے ان کے ہاتھ کا ناپ رہے ہیں۔ یقین جائیے کہ موجودہ حکومت اگر سیلا ب سے متاثر ہم وطنوں کو ٹھیک سے بحال نہ کر سکی، ان کی مدد نہ کر سکی، ان کی تکالیف کا مداوا نہ کر سکی تو اگلی حکومت تو دور کی بات ہے۔ مظلوم عوام کی بد دعائیں آپ کا موجودہ اقتدار بھی بہارے جائیں گی۔ سیلا ب زدگان امداد کے منتظر ہیں، حکومت اور اپوزیشن کو تمام اختلافات بھلا کر ان کی مدد کرنی چاہتے۔

چاروں صوبوں میں سیلا ب کی تباہ کاریوں سے بہنگامی صورت حال ہے تمام تاہر تنظیمیں حکومت کیسا تھا مکر سیلا ب زدہ عوام کی مدد میں ہر ممکن تعاون کریں بلکہ جگہ جگہ پر یکمپ قائم کریں جہاں سیلا ب زدگان کے لیئے کپڑے، خوارک، ادویات، یکمپ وغیرہ جمع کیجئے جائیں تاکہ جہاں جہاں سیلا ب زدگان لوگ متاثر ہوئے ہیں انکی ہر ممکن مدد کی جائے۔ جب کسی قوم پر یا علاقے کے لوگوں پر کوئی مشکل آتی ہے، وہ آزمائش اُس قوم کے ہر فرد کے لیے ہے، آج اللہ پاک ہمیں آزمار ہے ہیں کہ ہم کیا کر سکتے ہیں اللہ کے بندوں کے لیے کیا ان بے آسرا لوگوں کا سہارا بنتے ہیں۔ اللہ کے لیے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق ان لوگوں کی مدد کیجیے آج وقت ہے تحرید نیا میں اپنا مال خرچ کر کے مال کو ہمیشہ کے لیے امر کر لیں۔ وقت ہے جہاںوں کے بادشاہ و فرش حسد دینے کا۔ وقت ہے اللہ الرزاق کو ایک دے کر سات مو لینے کا وقت ہے اس دن اللہ تعالیٰ کے مارے میں جبکہ لینے کا جب کوئی سایہ نہ ہو گا۔

اے مالک گن فیکون! سیلا ب زدگان کی مُخْلِلین سخت ہیں! اے غالب وقت والے رب تجھے تیرے القوی ہونے واسطہ یا اللہ ہمارے ہم بھائیوں کو اس آفت سے نجات دلا دے! یارب العالمین دیکھ لوگ کیسے بے نی کاشان بنے کھڑے ہیں ور تیرے گن کے محتاج ہیں یارب اس کائنات کی تمام چیزوں پر تیرا حکم چلتا ہے۔ یا اللہ دیکھ فصلیہ میں تباہ ہو گئی ہیں، یا اللہ کچے پکے گھر ٹوٹ کر پانیوں میں بہہ گئے ہیں! یا اللہ قبرستان ڈوب گئے ہیں! یا اللہ سفید بالوں والے بوڑھے سرو سامان ہیں! محصور ہیں! اور رور ہے ہیں! یا اللہ سب کچھ بہہ گیا ہے! یا اللہ اناج بہہ گئے ہیں۔ یا اللہ لوگوں کے

پاس رہنے کے لیے چھت نہیں ہے، یا اللہ ہم گناہ کاروں کی دعائی قبول فرما کہ تیر علاوہ کوئی دعاوں کو منع والا نہیں! تیرے علاوہ کوئی نہیں! یارب اگر تو نے نہ تی تو ہم کہدھرجائیں گے؟ یا اللہ مدد کر! یا اللہ مدد کر! یا اللہ آسانیاں پیدا فرما! آمین ثم آمین یارب العالمین!

## اتفاق فی سبیل اللہ کی برکت و فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((قَالَ اللَّهُ تَبارَكَ وَتَعَالَى: يَا ابْنَ آدَمَ، أَنْفِقْ، أَنْفِقْ عَلَيْكَ)) (متفق علیہ).

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن دم! تو) میری راہ میں مال (خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا) یعنی میں تجھے خدا نہ غیب سے عطا کرتا رہوں گا۔ (متفق علیہ)

جن عظیم صفات کے ذریعہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے مون بندوں کی تعریف فرمائی ہے ان میں سے ایک اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے۔ یعنی تو اگر لوگوں پر خرچ کرے گا تو میں تجھے مفسن نہ ہونے دوں گا بلکہ میری بخشش تجھ پر مزید ہوگی۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ، رب کے غضب کو تھنڈا کرتا ہے اور بڑی موت کو دفع کرتا ہے۔ کسی شخص نے اگر کسی لغزش اور معصیت سے اپنے کو اللہ کے غضب کا متحقق بنالیا ہے تو صدقہ خدا کے غضب کو تھنڈا کر سکتا ہے۔ صدقہ کے کر بندہ اللہ کی رحمت اور مغفرت کا مستحق بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ صدقہ کی برکت سے آدمی سوئے خاتم اور بڑی موت سے محفوظ رہتا ہے۔ صدقہ کی برکت سے ایچھا اور نیک کاموں کی دل میں رغبت پیدا ہوتی ہے۔ ایمان مضبوط اور کامل ہوتا ہے۔ آدمی کو حق پر ثبات واستقامت کی توفیق ملتی ہے۔ اس لیے صدقہ کرنے والے کا نجام بغیر ہوگا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سخنی قریب ہے اللہ سے، قریب ہے جنت سے، قریب ہے لوگوں سے، دور ہے وزخ سے، اور بخیل شخص دور ہے اللہ سے، دور ہے جنت سے، دور ہے لوگوں سے، قریب ہے وزخ سے۔ اور جاہلی اللہ کو بخیل عابد سے زیادہ پسند ہے۔ (ترمذی)

سخاوت اور فیاض سے آدمی کو خدا کی رضا اور اس کا قریب حاصل ہوتا ہے۔ فیاض اور سخنی شخص سے لوگ بھی خوش رہتے ہیں اور ایسا شخص اپنے انعام کے لحاظ سے بھی کامیاب ہوتا ہے۔ جنت اس کی دلائی جائے قدر ارہوتی ہے۔ اس کے برخلاف بخیل شخص سے نہ خدارا ضی ہوتا ہے اور نہ دنیا کے لوگ اس کو عرضت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور اپنے انعام کے لحاظ سے وہ بجائے جنت کے دوزخ کا مُتحقق ہوتا ہے۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی کسی قوم نے اپنے مالوں کی زکوٰۃ روک لی اس سے آسمان کی بارش روک لی گئی اور اگر جانوروں ہوں تو (بالکل) بارش نہ ہو۔ (طرانی) یعنی اللہ تعالیٰ بھی بے گناہ جانوروں کی وجہ سے بارش کر دیتا ہے، حالانکہ انسانوں کی تافرمانیوں کا تقاضا تو یہ ہوتا ہے کہ بارش بالکل نہ ہو۔

انفاق فی سبیل اللہ کا مطلب اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے۔ قرآن و حدیث میں جگہ جگہ اللہ کے راستے پر خرچ کرنے کا حکم صادر ہوا ہے اور اس کی اہمیت و فضیلت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بر عکس اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال میں سے نہ خرچ کرنا اس کو سخت ناگوار کیا گیا ہے اور ایسا بخیل گناہ کار ہے جو نار دوزخ کا حقدار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محتاج بندوں کی ضرورتوں میں خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ کو قرض دینا قرار دیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، وہ نہ صرف مال و دولت اور ساری ضرورتوں کا پیدا کرنے والا ہے، بلکہ وہ توپوری کائنات کا خاق، مالک اور رازق ہے، ہم سب اسی کے خواستے سے کھاپی رہے رہیں، تاکہ ہم بڑھ چڑھ کر انسانوں کے کام آئیں، تیسم بچوں اور بیوہ عوتوں کی کفالت کریں، غریب محتاجوں کے لیے روٹی کھڑا اور مکان کے انتظام کے ساتھ ان کی دینی و عصری تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرنے میں ایک دوسرا سے مسابقت کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے، دونوں ہمہاں میں اس کا بہترین بلد عطا فرمائے اور اپنے مہماں خانہ جنت الغردوس میں مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

جس قدر غلوص کے ساتھ ہم اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کریں گے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا اجر و ثواب زیادہ ہو گا۔ ایک روپیہ بھی اگر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کسی محتاج کو دیا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ ۲۰۰ گناہ بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب دے گا۔ اپنے اور بال بچوں کے اخراجات کے ساتھ وفا فو فنا قرض حسن اور مختلف صدقات کے ذریعہ محتاج لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔

اسلام ہر مسلمان میں انفاق فی سبیل اللہ کا جنہبہ پیدا کرتا ہے، تاکہ وہ مال کی محبت کا اسیر نہ بن جائے، بلکہ اس میں اللہ اور بندوں کے حقوق کو پہچانے، اور ضرورت سے زائد مال کو اللہ کی راہ میں اور دوسروں کی بھتری کے لئے خرچ کر دے۔ انفاق فی سبیل اللہ خیر اور برکت کے بڑے دروازوں میں سے ہے، جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی شان بڑھادیتے ہیں، اور اس کی قدر و منزلت میں انفاق ہو جاتا ہے، یعنی ان احادیث میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے خیر کے راستوں میں اپنا مال خرچ کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شلنه ان پر خرچ کرے گا، اپنے فضل سے انھیں نوازے اور اپنی وسیع عطا سے انھیں اچھا بدلہ عطا کرے گا۔

## سفر کے مہینے کو منحوس سمجھنا

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال النبي أ: لاعذوب ولا صفر ولا حامدة.  
سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوٹ چھات (بیماری کا دوسرے سے لگنے کا وہم) اور آلو (کو منحوس سمجھنے) اور صفر (کے مہینے کو منحوس سمجھنے) کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ (صحیح البخاری، باب الطب، باب الحمامۃ، رقم المحدث: ۷۰۵، المکتبۃ الالفیۃ)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے واضح انداز میں توہم پرستی، چھوٹ چھات اور صفر کے مہینے کو منحوس سمجھنے کی نقی فرمائی ہے لہذا کسی وقت اور زمانے میں کوئی نخوت اور برائی نہیں ہے۔

ذات باری تعالیٰ حقیقی متصرف اور مسبب الاسباب ہے۔ ظاہری اسباب میں اثر انگیری پیدا کرنے والی ذات بھی وہی ہے۔ کسی چیز، دن یا مہینے کو منحوس سمجھنا اور اس میں کام کرنے کو بڑے انجام کا سبب قرار دینا غلط، بدشگونی، توہم پرستی اور قابل مذمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی میثت کے بغیر کوئی بھی جیزاں انسان کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔  
نفع و نقصان کا اختیار سو فیصد اللہ کی ذات کے پاس ہے۔ جب وہ خیر پہنچانا چاہے تو کوئی شر نہیں پہنچا سکتا اور اگر وہ کوئی مصیبت نازل کر دے تو کوئی اس سے رہائی نہیں دے سکتا۔

آج کل مسلمانوں میں بھی اسلامی تعلیمات کی کمی کی وجہ سے توہم پرستی بہت زیادہ ہنول میں رائج ہو چکی ہے، جس کی وجہ سے لوگ صفر کے مہینے کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اسلامی سال کا دوسرامہینہ "صَفَرُ الْمُظْفَرُ" "شروع ہو چکا ہے، یہ مہینہ انسانیت میں زمانہ جاہلیت میں منحس، آسمانوں سے بلا یہی اتنے والا اور آفتیں نازل ہونے والا مہینہ سمجھا جاتا تھا۔ زمانہ جاہلیت کے لوگ اس ماہ میں خوشی کی تقریبات (شادی، بیاہ اور ختنہ وغیرہ) قائم کرنا منحوس سمجھتے تھے۔ اور قابل افسوس امر یہ ہے کہ یہی نظریہ سل درسل آج تک چلا آ رہا ہے۔ بعض لوگ صفر کے مہینے میں شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات منع نہیں کرتے، اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ صفر میں کی ہوئی شادی صفر (زیرو)

اور ناکام ہو جاتی ہے، اور زیجع الاول کے مہینے سے اپنی تقریبات شروع کر دیتے ہیں، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ صفر کے مہینے کو نامبارک اور منحوس سمجھا جاتا ہے۔ اس خیال کے باطل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نکاح ایک اہم عبادت ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت اور طریقہ ہے، نکاح کے ذریعے سے آدمی بدنظری سے بچ جاتا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت ہو جاتی ہے، اور حدیث شریف میں ہے کہ ”بندہ نکاح کر کے اپنا آدھادین محفوظ کر لیتا ہے“۔ سوچنے کی بات ہے کہ جب نکاح اتنی اہم عبادت ہے، تو اس سے کیسے منع کیا جاسکتا ہے؟ لہذا اس مہینے میں بھی نکاح کی عبادت کو انجام دینا چاہیے: تاکہ ایک باطل اور غلط عقیدہ کی تردید ہو، اور صفر میں نکاح کے جائز اور عبادت کے مٹ جانے کو زندہ کیا جاسکے۔

نحوست کی اصل و بجز ماند وغیرہ نہیں ہے، زکوئی دن منحوس ہے اور زکوئی مہینہ، بلکہ نحوست کی اصل وجہ

انسان کے اپنے برے اعمال میں، جیسا کہ سورۃ الشوری میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَإِنَّا كَسَبْتُمْ أَيْدِيهِكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ.

اور جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے تو اس (بداعمالی) کے سبب سے ہی (پہنچتی ہے) جو تمہارے ہاتھوں نے کمائی ہوتی ہے حالانکہ بہت سی (کوتا ہیوں) سے تو وہ درگز بھی فرمادیتا ہے۔

اس لیے ماہ صفر میں بلا نیں اور آفات اترنے اور جنات کے نزول کا عقیدہ من گھرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر و تاثیر میں زمانے کو کوئی دغل نہیں، اس لیے ماہ صفر بھی دیگر مہینوں کی طرح ایک مہینہ ہے۔ اگر ایک شخص اس مہینے میں احکام شرع کا پابند رہتا ہے ذکرا ذکرا کرتا ہے، حلال و حرام کی تمیز رکھتا ہے، نیکیاں کرتا اور رکنا ہوں سے پہنچتا ہے تو یقیناً یہ مہینہ اس کے لیے مبارک ہے، اور دوسرا شخص اس مہینے میں گناہ کرتا ہے، جائز و ناجائز اور حرام و حلال کی تمیز مانتا ہے، حدود اللہ کو پامال کرتا ہے تو اس کی بر巴وری کے نتے اس کے اپنے گناہوں کی نحوست ہی کافی ہے اپنی شامت اعمال کو ماہ صفر پر ڈالنا زی جہالت ہے۔

قرآن و حدیث واضح ہوتا ہے کہ کوئی وقت، دن اور مہینہ برکت و عظمت اور فضل والا تو ہو سکتا ہے، مگر کوئی مہینہ یادن منحوس نہیں ہو سکتا۔ کسی دن کو نحوست کے ساتھ خاص کر دینا درست نہیں، اس لیے کہ تمام دن اللہ نے پیدا کیے ہیں اور انسان ان دنوں میں افعال و اعمال کرتا ہے، تو ہر وہ دن مبارک ہے جس میں اللہ کی طاعت کی جائے اور ہر وہ زمانہ انسان پر منحوس ہے جس میں وہ اللہ کی تافرمانی کرے۔ اللہ کی معصیت اور گناہوں

کی کثرت اللہ کو نار ارض کرنے کا سبب ہے تو گناہ فی نفسہ مخصوص ہے، یک یونکہ گناہ کے سبب گنہگار اللہ کی امان سے بکل جاتا ہے اور دنیا و آخرت کے مصائب میں گھر جاتا ہے۔ درحقیقت اصل خُوسُت گناہوں اور بد اعمالیوں میں ہے۔ لہذا ہم سب کی ذمہ داری بتتی ہے کہ ہم خود بھی اس طرح کے توبہمات و منکرات سے بچپیں اور حتی الوع دوسروں کو بھی اس طرح کی خرافات سے بچانے کی کوشش کریں۔

## مؤمن کے لیے دنیوی مصائب کی حیثیت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: )مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍ وَلَا حُزْنٍ وَلَا أَذًى وَلَا غَمٍ، حَتَّىَ اللَّهُ وَكَفَهُ يُشَاكُهَا إِلَّا كَفَرَ اللَّهُ إِهْنَا مِنْ خَطَايَاهُ( (متفق عليه)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان کو جو بھی تحکاوم، بیماری، رنج و ممال، تکلیف اور غم لاحق ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر اسے کوئی کامنا بھی چھبھ جائے اور وہ اس پر صبر سے کام لیتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

نصب: تحکاوم کو کہتے ہیں، اور وصب: دائمی تکلیف، یا مرض کو کہتے ہیں۔ حسم: مستقبل کی بالتوں کی فکر کرنے کو کہتے ہیں۔ الحزن: ماضی میں ہونے والے کسی حادثہ کے بارے میں فکر و بے چینی لاحق کو کہتے ہیں۔ اور یہ بغیر ارادہ کے انسان سے ظاہر ہوتے ہیں اور یہ عموماً دل کو لاحق ہوتے ہیں۔ اذی: یہ عام تکلیف ہے جو سب کو شامل ہے۔

اس دنیا میں انسان بہت سی مشکلات اور تحکاومات اور نیز تفتکرات اور غمتوں سے دوچار ہوتا ہے۔ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک بڑی بات بتا رہے ہیں، جسے ہمیں تمام حالات میں یاد رکھنا چاہیے، کیوں کہ یہ ایسی بات ہے، جس سے قلب کو سرو اور الہیتان حاصل ہوتا ہے۔

انسان کو جو بھی تحکاوم، بیماری، رنج و غم، فکر و ندیشہ اور تکلیف لاحق ہوتی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے اور یہ مصیبتیں اس کے گناہوں کی مغفرت نیز گناہوں کے ازالے اور غاثمے کا سبب بن جاتی ہیں اور انسان مصیبت کے خاتمہ پر اپنے گناہوں سے پاک و صاف ہو کر تکلتا ہے اور اپنے مالک و پروردگار سے قریب ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے فرمان کا یہ جملہ یہاں تک کہ اسے کوئی کامنا بھی چھبھتا ہے۔ اس

بات کی دلیل ہے کہ انسان کو جو تکلیف بھی لاحق ہوتی ہے وہ اس کے لیے بخارہ بن جاتی ہے، اگرچہ معمولی تکلیف ہی کیوں نہ ہو، جیسے کاشٹا بحمدنا وغیرہ۔

”مصیبت“ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جسے دل قبول اور پسند نہ کرے، لہذا اس حدیث سے معصوم ہوا کہ مصیبت خواہ وہ تکلیف و بیماری کی صورت میں ہو یا حادثہ و صدمہ کی شکل میں، ہمیشہ اللہ کے قہر اور عذاب ہی کے طور پر نہیں آتی، بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس بندہ پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کا سایہ کرنا چاہتا ہے اسے خیر و بھلائی کے راستہ پر ڈالنا چاہتا ہے تو اسے کسی مصیبت میں بدل کر دیتا ہے، جس سے نہ صرف یہ کہ اس کے گناہ صاف ہو جاتے ہیں، بلکہ اس کے قلب و دماغ کو مصیبت کی سختی بھی و مصدا کر کے خسرو بھلائی کے فرواد پسند کر کر اسے اندھر پیار کرنے کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے۔

انسانی زندگی کی خوشی و سرسرت اور رنج و غم کا عجیب سلسلہ ہے، پل میں مصیبت، پل میں راحت؛ لیکن نہ یہاں کے فرحت و سرور کے لمحات کو دوام ہے اور نہ درد والم کے صدمات کو قرار، ساری زندگی ہی تغیر و تبدل سے عبارت ہے، یہ مصائب و مشکلات، زندگی کے یہ نشیب و فراز، حیاتِ انسانی کو درپیش یہ ادغام کی تجویز تھی اور اتابار چڑھا دئی کیفیات، جو بظاہر ناکامی و نامرادی کی تصویر نظر آتے ہیں، اگر ان کے حقائق و مضرات اور شرعی نقطہ نظر سے ان منفی احوال کا تجزیہ کیا جائے تو یہ مصائب مومن کے لیے خیر ہی خیر نظر آتے ہیں، ان ہی شر و وقتن کے بطن سے خیر و بھلائی کے پہلو وجود میں آتے ہیں، علمائے امت فرماتے ہیں اگر کوئی ایسی صورت حال میں اسلامی احکام کی رعایت رکھے گا تو اس کے لیے یہ مصیبت بھی اللہ کی رحمت بن جائے گی! اس لیے دنیا میں تکلیف اور مصیبت نیک مؤمن پر بھی آتی ہے اور گناہ گارومن اور کافر پر بھی آتی ہے، بعض کے لیے تکلیف و مصیبت رفع درجات کا سبب ہوتی ہے، اور بعض کے حق میں گناہوں کی معافی کا ذریعہ اور بعض کے لیے آخرت کے عذاب سے پہلے دنیاوی پکڑ ثابت ہوتی ہے تاکہ کافر و گناہ گار اسے دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ بیماری یا تکلیف کے رحمت بننے کی علامت یہ ہے کہ بیماری یا تکلیف کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور عملی زندگی میں إصلاح اور مشیت تبدیلی آجائے تو یہ رحمت کا باعث ہے، اور اگر شکوہ شکایت، جزع فزع، اور اللہ سے رجوع ہٹ کر صرف دنیاوی اسباب اور غنوم و ہموم کی طرف ہو جائے تو یہ آزمائش یا پکڑ کی علامت ہے۔ یہ باتیں قرآن مجید کی

تعلیمات رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کی روشنی میں ثابت شدہ ہیں۔ مصائب میں مبتلا شخص ان دعاؤں کا خوب اہتمام کرتا ہے: ”اللَّهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو فَلَا تَكْلِينِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ وَأَصْلِحْ لِي شَانِي كُلَّهُ لِإِلَهٍ إِلَّا أَنْتَ“ اے اللہ! میں تیری رحمت کی امید کرتا ہوں تو مجھے پل بھر بھی میرے پردنہ کرو میرا سارا حال درست فرمادے، تیرے سوا کوئی معبد نہیں۔ ”يَا أَيُّهُ الْيَاقُوتُ مُبَرْحَمَتِكَ أَسْتَغْفِرُكَ“ اے زندہ اور اے قائم رکھنے والے! میں تیری رحمت کے واسطے سے فریاد کرتا ہوں۔ ”اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ شَيْءٌ“ اللہ! اللہ میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں بناتا۔ ان دعاؤں کو مصائب اور پریشانیوں کے دفعاء میں خوب اثر ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو مصائب اور مشکلات کے وقت انھیں دعاؤں کی تلقین فرمانی تھی۔ اللہ رب العزت ہم سب کو عافیت عطا فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین!

## طلبِ عافیت! سب سے بہتر اور جامع دعا

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَلِّبِ رضي الله عنه، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! عَلِمْتُ شَيْئاً أَسْأَلُهُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ. قَالَ: سَلِ اللَّهَ الْعَافِيَةَ، فَمَكَثَتْ أَيَّامًا شَمَّ جُثْ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! عَلِمْتُ شَيْئاً أَسْأَلُهُ اللَّهَ فَقَالَ لِي: يَا عَبَّاسُ! يَا عَمَّ رَسُولِ اللَّهِ! سَلِ اللَّهَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ». (ترمذى، أبواب الدعوات، ج: ٢، ص: ١٩١، ط: قرآنى)

”حضرت عباس بن عبد المطلب رضي الله عنده سے روایت ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ مجھے اسی چیز بتائیے جو میں اللہ تعالیٰ سے مانگوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ سے عافیت مانگو۔ میں کچھ دن ٹھہر اہر پر چڑو بارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا اور میں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اسی چیز بتائیے جو میں اللہ تعالیٰ سے مانگوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: اے عباس! اے رسول اللہ کے چچا! اللہ سے دنیا و آخرت میں عافیت مانگا کرو۔“

اب والی ہے کہ عافیت کے معنی کیا ہیں؟ جس کے مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ خیر و عافیت کا مطلب آزمائش و تکلیف کا ختم ہونا، برے انجام والے امور سے بچنا اور ہر یماری سے شفایاں ہونا ہے، اور تندرستی و صحّت کو بھی عافیت کہا جاتا ہے۔ عربی لغت میں عافیت اسم ہے اور یہ عفو سے نکلا ہے۔ اس کا مطلب مکمل صحّت ہے اور اس کی مختلف قسمیں ہیں۔ دین کے معاملے میں عافیت سے مراد گناہوں اور بدعتات جیسے امور سے بچنا اور اطاعت میں کاملی سے چھکارا ہے۔ دنیا کے معاملے میں عافیت سے مراد اس کے شر اور مصائب سے اللہ کی پناہ میں آنا ہے۔ خاندان کے معاملے میں عافیت سے مراد مرض و یماری اور گناہوں کی زیادتی سے سلامتی ہے، جب کہ مالی عافیت سے مراد نئی مالی آمروں سے بچنا ہے۔ عافیت کی ان تمام قسموں میں دینی عافیت انسان کے لیے سب سے نفع بخش ہے یہ یونکہ یہ اتنی معتبر ہے کہ اس کے مثل دنیا میں کلمہ انعام کے بعد کوئی نعمت نہیں۔ یہ نہ صرف بندے کے ایمان و فتاہم کرتی ہے بلکہ اللہ کی پوکر سے بھی بچاتی ہے۔ اگر انسان وہ عافیتوں میں کسی عافیت کو چنتا پڑے تو دین کی عافیت کے مقابل کسی عافیت کو نہ پائے گا، جو نہ صرف اللہ کی پوکر سے بچاتی ہے بلکہ بندوں کے شر سے بھی محفوظ رکھتی ہے۔

عافیت کی قسموں میں بدینی عافیت بھی شامل ہے، یونکہ یہ انسان کی زندگی ہی ہے جس کی وجہ سے انسان حن طریقے سے عبادت کر سکتا ہے، اور اپنے دیگر امور کے لیے بھی اقدامات و جدوجہد کر سکتا ہے۔ اسی طرح اس میں خاندان کی عافیت بھی شامل ہے تاکہ اللہ ان کے دین، اخلاق، صحت، احوال، رزق، مال اور دیگر دنیاوی نعمتوں میں برکت ڈالے۔ عافیت بہت بڑی چیز ہے، بہت اوپنجی نعمت ہے، اور عافیت کے مقابلے میں دنیا کی ساری دولتیں بھی میں، کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں۔ نیز وہ فرماتے تھے کہ: عافیت دل و دماغ کے سکون کو کہتے ہیں، اور یہ سکون اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ دولت اللہ تعالیٰ بغیر کسی سبب اور استحقاق کے عطا فرماتے ہیں۔ عافیت کوئی آدمی خریدنیں سکتا، نہ روپیہ پسیے سے عافیت خریدی جاسکتی ہے، نہ سرمایہ سے اور نہ ہی منصب سے کوئی عافیت حاصل کر سکتا ہے۔ عافیت کا خواہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس کی ذات کے سوا کوئی عافیت نہیں دے سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بڑی کثرت سے رب العالمین سے عافیت کی دعائیں کرتے تھے، احادیث مبارکہ میں مختلف الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عافیت کی دعائیں مانگنا منقول ہے، چنانچہ ابو داؤد شریف اور دیگر حدیث کی تکابوں میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام نہایت پابندی سے ان الفاظ کے ذریعہ دعائیں لگاتے: **اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَا يَأْتِيَ اللَّهُمَّ اسْتَرْعَوْرَقِي**۔ بہتر تو یہی ہے کہ یہ پوری دعایوں کی جائے اور صبح و شام اس کے پڑھنے کو معمول بنایا جائے، تاہم مکمل یاد رہ ہو تو کم از کم "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ"۔ اے اللہ! میں آپ سے دنیا و آخرت کی عافیت طلب کرتا ہوں۔ نہایت ہی مختصر سے الفاظ ہیں، ان الفاظ کے ساتھ اس دعا کو بار کر لینا چاہیے، اور اگر عربی الفاظ یاد نہ ہوں تو اردو میں یہ دعائیں گے دعائیں کریں۔ یہ دعا اللہ رب العزت کو بڑی پسند ہے، بندے اپنے پروردگار سے عافیت مانگتے رہیں، اللہ تعالیٰ اس مانگنے کو سب سے زیادہ پسند فرماتے ہیں۔ لہذا ہم ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے رہیں، یعنی ذات کے لحاظ سے بھی، اپنے اہل و عیال کے لحاظ سے بھی، دنیاوی و اخروی زندگی کے لحاظ سے بھی۔ اس لیے انسان کیشت مال و اسباب کے بجائے اپنے رب سے عافیت اور سکون مانگے، عافیت اور سکون میسر ہو تو تھوڑا بہت بھی کافی ہو جاتا ہے اور انسان کی زندگی پر سکون گزرتی ہے، ورنہ ساری دولت کے موجود ہوتے ہوئے انسان اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتا، وہ انسان کے کام کی نہیں۔ اس لیے بعض بزرگوں کا یہ قول تکابوں میں منقول ہے کہ: **أَتَلَمِلُ مَعَ الْعَافِيَةِ خَيْرٌ مِّنَ الْكَثِيرِ مِنَ الْقَوْارِعِ**۔ اسی عافیت کے ساتھ تھوڑا امال اس زیادہ مال سے بہتر ہے جو مصیبتوں کے ساتھ ہو۔ البتہ انسان کی لائج طمع کے بغیر اگر اللہ تعالیٰ کچھ عطا فرمادیں تو وہ اللہ کی نعمت ہے، انسان پھر اس کا حق ادا کرے۔ جی ہاں! اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کے ساتھ

ساتھ عافیت کی دعا بھی مانگنی چاہیے، بلکہ اس دعا کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تغییر دی ہے، کیونکہ دنیا و آخرت کی عافیت میں ساری خیریں اور بخلائیاں پوشیدہ ہیں، لہذا عافیت کی دعائیں ہبہ جامع دعا ہے، اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

## سلام کو عام کرنے کی اہمیت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : )) لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّىٰ تَحْمِلُوا، أَوْ لَا أَذْكُرُكُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحْمِلْنَمْ : أَفْشُوا السَّلَامَ بِيَنْكُمْ (رواه مسلم)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم جنت میں نہیں جاوے کے یہاں تک کہ ایمان لے ڈا اور تم اس وقت تک) کامل ایمان والے نہیں بنے گے یہاں تک کہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگ جاؤ۔ کیا میں تمھیں ایسی چیز کی طرح رہنمائی کروں کہ جب تم اسے کرنے لگو تو تم پس میں محبت کرنے والے بن جاؤ؟ تم آپس میں سلام کو عام کرو۔“ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث شریف میں ہمیں ایک نہایت ہی اہم بات کی تغییر دی گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم آپس میں محبت کرنے والے بن جائیں۔ بنی کریم ﷺ نے ہمیں بتالیا ہے کہ ہم اس وقت تک جنت میں نہیں داخل ہوں گے جب تک کہ ایمان والے نہ بن جائیں اور ہم حقیقی ایمان والے اسی وقت بن سکتے ہیں جب ہم آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگ جائیں۔

سلام کی اسلام میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔ سلام اسلام کا شعار ہے۔ ایک مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کو سلام کر کے اس سے دلی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ اسی طرح جس کو سلام کیا گیا ہے وہ بھی جواب دے کر سلام کرنے والے سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ سلام صرف اسلام کا شعار ہی نہیں ہے بلکہ ایک اہم دینی و اخلاقی فریضہ بھی ہے۔

اس حدیث سے جہاں ایک طرف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سلام اہل ایمان کے درمیان محبت بڑھانے کا اہم ذریعہ ہے۔ اور آپس میں جب محبت بڑھے گی تو ایمان میں بھی آئے گی۔ اور جب ایمان پختہ ہوگا تو جنت

میں داخلہ آسان ہو جائے گا۔ وہیں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ سلام ہر غاص و عام کو کرنا چاہیے۔ سلام کو کسی طبقے یہ ہم منصب لوگوں کے درمیان محدود نہیں کرنا چاہیے۔

دنیا کے ہر مذہب و ملت میں ہر قوم نے وقت ملاقات کچھ الفاظ اور طریقے مقرر کر لیے ہیں چنانچہ مانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ جب آپس میں ملتے تھے تو ”حیاک اللہ“ یعنی اللہ تجھے زندہ رکھے کے الفاظ ایک دوسرے کو کہتے تھے۔ ہندو آپس میں ملاقات کے وقت ”نستے“ کہتے ہیں۔ عینماں یا انگریزوں کے ہاں وقت کے حاب سے الفاظ ادا کیے جاتے ہیں۔ مثلاً صبح میں گڈاونگ، شام میں گڈاونگ اور رات میں گڈناٹ کے الفاظ کہتے جاتے ہیں۔ سکھ لوگ ”جے گڑو“ کے الفاظ بولتے ہیں۔ السلام علیکم میں دین و دنیا کی سلامتی کی دعا ہے اور ظاہر ہے کہ سلامتی کی دعا زندگی کی دعا سے زیادہ جامع ہے۔ یعنی دنیا میں یار مرتے وقت، قبر میں یا حشر میں ہر جگہ ہر آفت سے پچھے رہو، سلامت رہو، نیز بغیر سلامتی کے زندگی عذاب بن جاتی ہے۔

سلام نہایت جامع دعائیہ کلمہ ہے کہ یہ کلمہ پیار و محبت اور اکرام کے اٹھاڑ کے لیے بہترین لفظ ہے اور اس کی کئی معنوی خصوصیات میں: سلام اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنی میں سے ہے۔ اس کلمہ میں صرف اٹھاڑ کمحت ہی نہیں؛ بلکہ ادا سے حق مجبت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ تمام آفات اور آلام سے محفوظ رکھیں۔ یہ کلمہ اپنے سے چھوٹوں کے لیے شفقت، محبت اور پیار و محبت کا کلمہ بھی ہے اور بڑوں کے لیے اکرام و تعظیم کا لفظ بھی۔ سلام کرنے میں پہل کرے؛ اس لیے کہ سلام میں پہل کرنے سے عاجزی و توانی پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کو بندوں سے تواضع نہایت محبوب ہے۔

ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صاحبؐ کرام کے ساتھ تشریف فرماتے ہوئے ایک شخص نے حاضر ہو کر اس طرح سلام کیا۔ السلام علیکم، حضور نبی اکرمؐ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا اس کے لیے 10 نیکیاں میں۔ پھر دوسرا شخص حاضر ہوا اور اس طرح سلام کیا۔ ”السلام علیکم و رحمۃ اللہ“ آپؐ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا اس کے لیے 20 نیکیاں میں۔ پھر تیسرا شخص حاضر ہوا اور اس طرح سلام کیا۔ ”السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکۃ“ حضور نبی اکرمؐ نے اس کے بھی سلام کا جواب دیا اور فرمایا اس کے لیے 30 نیکیاں میں۔ (ترمذی و ابو داؤد)

سلام کرنا سنت کفایہ ہے۔ مگر اس کا جواب دینا فرض ہے۔ سلام کے جواب میں بہتر جواب دینا منتخب ہے اور برابر کا جواب دینا واجب ہے۔ اگر جماعت میں سے کسی نے بھی سلام کر لیا تو سب کی طرف سے ادا ہو گیا۔ اگر پوری جماعت میں سے کسی نے بھی نہ کیا تو سب سنت کے تارک ہوں گے۔ اسی طرح کسی نے اگر سلام کیا پوری جماعت میں سے

کسی ایک نے بھی جواب دے دیا تو سب کی طرف سے ادا ہو گیا لیکن اگر پوری جماعت میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا تو سب کے سب گنہ کار ہوں گے۔ سلام کرنے والے کو چاہیے کہ بلند آواز میں سلام کرے تاکہ سامنے والا سن لے، جواب دینے والے کو بھی چاہیے کہ با آواز بلند جواب دے تاکہ سلام کرنے والا سن لے اور سلام ان کراس کافر آجواب دے۔ بغیر شرعی غدر کے دیر سے سلام کا جواب دینے سے جواب نہ ہو گا اور رکنا گار بھی ہو گا۔

جب اپنے گھر میں داخل ہوں تو گھر والوں یوں، بچوں کو سلام کریں، اس سے اتحاد و اتفاق پیدا ہو گا اور رزق میں خیر و برکت ہو گی۔ جب خالی گھر جائیں تو اسلام علیک ایحاء النبی کہیں، جب قبرستان جائیں تو ”السلام علیکم یا اہل القبور“ کہیں۔ جب دو مومن آپس میں ملاقات کریں تو سلام کرنے کے بعد ہاتھ ملانا بھی سنت ہے، مگر مرد مرد سے ملاتے اور عورت سے ملاتے۔ مرد و عورت کا ہاتھ ملانا یا مصافحہ کرنا گناہ ہے۔ حضور نبی اکرم نے فرمایا ”میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا“، ایکلی بوڑھی عورت کو سلام کرنا سنت ہے۔ ابھی جوان عورت کو سلام کرنا منع ہے، اس سے فتنے کا اندیشہ ہے۔ عورتیں آپس میں جب ملیں تو ان کے درمیان سلام کے وہی احکام ہیں جو کہ مردوں کے آپس میں ملنے کے ہیں۔

سلام کرنا کب منع ہے؟ جو بھی شخص رفع حاجت کر رہا ہو، اسے سلام کرنا منع ہے۔ ایسے ہی جو شخص نماز پڑھ رہا ہو یا غسل کر رہا ہو، برہنہ ہو اس کو سلام کرنا منع ہے۔ اسی طرح کوئی کھانا کھا رہا ہو، دینی بینت پڑھ رہا ہو یا سورہ ہو ان سب حالتوں میں سلام کرنا منوع ہے۔ یوں ہی خلبے کے وقت، اذان یا نکیر کے وقت سلام کرنا منع ہے۔ سلام اسے کیا جائے جو جواب دیتا بھی ہو اور سلام سنتا بھی ہو، جیسے سوتے ہوئے، غائب یا بہرہ ہو اسے سلام کرنا منع ہے اور جو سلام تو سنتا ہو مگر جواب نہ دے سکتا ہو، جیسے نماز یا استغفار میں صرف شخص اس کو بھی سلام کرنا منع ہے۔ یوں ہی جو سلام سنتا بھی ہے جواب بھی دے سکتا ہے مگر پھر بھی سلام کا جواب نہیں دیتا اسے بھی سلام کرنا منع ہے۔ (فتاویٰ عالم گیری)

صحابہ کرام نے جب آپ کی زبان مبارک سے سلام کی یتیکید اور فضیلت سنی تو ان کا معمول ہو گیا تھا کہ وہ آپس میں کثرت سے سلام کرتے، یہاں تک کہ اگر ان کے درمیان ایک دیوار کی اوٹ حائل ہو جاتی تو بھی جب دو بارہ سامنا ہو جاتا تو بلا تکلف سلام کرتے۔ ایساں لیے تھا کہ صحابہ کرام نیکوں کے حریص تھے، انہوں نے آپ کی زبان مبارک سے سن رکھا تھا کہ ”السلام علیکم“، کہنے پر دس نیکی ملتی ہے اور ”رحمۃ اللہ“ کہنے پر دس نیکی اور ”برکاتہ“ کہنے پر دس نیکی ملتی ہے۔ اسی لیے سلام کے آداب میں سے ہے کہ سلام کی ابتداء کرنے والا ”السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ“ کہے اور جواب دینے والا بھی ”علیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ“ کہے۔ اور ایسا کہنا محتسب ہے لہذا مسلمان شخص کو سلام پھیلانے کا حریص ہونا چاہیے، اس کا اہتمام کرنا چاہیے اور اس سے شرم نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ یہ نیکی

اور ایمان میں بڑھوڑی کا سبب ہے اور جنت میں داخلہ کا بھی سبب و ذریعہ ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ سلام اگرچہ ایک ہی آدمی کو کرے مگر "علیکم" جمع کی ضمیر استعمال کرے کیوں کہ ہر شخص کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں جیسے کراماً کا تین اور معاوظ فرشتے جمع کا صیغہ استعمال کرنے سے ان فرشتوں کو بھی سلام ہو جاتا ہے۔ سلام کی اہمیت اور اس کے ثمرات ہم سے تقاضا کرتے ہیں کہ ہم شعوری طور پر اس سنت مطہرہ کا اپنی زندگی میں خود بھی اہتمام کریں۔ اور اپنے دوست و احباب، ماتحتوں اور لا حظین کو بھی وقاراً و قیامتاً کیا کرte رہیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین

## چغل خوری کی مذمت

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّافٌ)) (متفق علیہ)

سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ! نے فرمایا: ”چغل خور شخص جنت میں نہیں داخل ہوگا۔“

یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جس میں ہمیں زبان کی آفتوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔ زبان کی آفتوں بہت قسم کی ہیں۔ زبان کی انہی آفتوں میں سے غبیث اور چغلی کرنا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بات کو جان لو کہ یہ دونوں عادتیں بہت بری چیزوں میں سے ہیں اور کثرت سے لوگوں کے مابین عام ہوتی ہیں، یہاں تک کہ ان سے بہت کم ہی لوگ محظوظ رہتے ہیں۔“

منکورہ حدیث میں ہمارے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسی بری عادت اور عظیم گناہ سے منع فرمایا ہے۔ جو کبیرہ گناہ میں شمار کی جاتی ہے اور وہ نیمہ چغلی ہے۔ قات نامہ کو کہتے ہیں، جس کا رد و تحریج چغل خور ہے۔ اور بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ چغل خور جنت میں نہیں داخل ہوگا۔

اس حدیث مبارک میں بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، چغل خوری یعنی لوگوں کے درمیان بگاڑ پیدا کرنے کے مقصد سے با تین پھیلانا والے و سخت ترین سزا کی عصیت نہار ہے ہیں کہ وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ یعنی ابتدائی طور پر ایسا شخص جنت میں نہ جائے گا، بلکہ اس سے قبل بقدر گناہ اس کو عذاب کا مردہ چکھایا جائے گا۔ اس حدیث سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ عمل کرنے والا کبیرہ گناہ کا مرتبہ ہوگا۔

چغلی کیا ہے؟ حضرت علامہ بدر الدین علیہ رحمۃ اللہ القوی نے ”بخاری شریف“ کی شرح میں نقل فرمایا کہ ”کسی کی بات کو دوسرے آدمی تک پہنچانے اور فساد پھیلانے کیلئے بیان کرنا ہے۔ یعنی چغلی خوری کا عام فہم مطلب ہے: لگائی بھائی کرنا یعنی ایک کی بات دوسرے تک پہنچانا اور باہم اختلاف پیدا کرنا ہے۔“

چغلی کا عذاب خاتم النبیین، رحمۃ اللہ علیہ میں ملئی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جھوٹ سے منہ کالا ہوتا اور چغلی سے قبر کا عذاب ہوتا ہے۔ (شعب الایمان، باب فی حظوظ المسان، ۲/۲۰۸، حدیث: ۳۸۱۳)

حضرت سید ناکعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت سید ناموی کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصَّلوةُ وَ السَّلَامُ کے زمانے میں سخت قحط پڑ گیا۔ آپ علیہ الصَّلوةُ وَ السَّلَامُ نے بنی اسرائیل کی ہمراہی میں باش کے لئے دعاماً نگنے چلے لیکن باش نہ ہوئی آپ علیہ الصَّلوةُ وَ السَّلَامُ نے تین دن تک یہی معمول رکھا لیکن باش پھر بھی نہ ہوئی۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ اے موی! میں تمہاری اور تمہارے ساتھ والوں کی دعا قبول نہیں کروں گا کیونکہ ان میں ایک چغل خور ہے۔ حضرت سید ناموی کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصَّلوةُ وَ السَّلَامُ نے عرض کی: ”اے پروردگار عز وجل! وہ کون ہے تا کہ ہم اسے یہاں سے نکال دیں۔“ اللہ عز وجل کی طرف سے جواب ملا: ”اے موی! میں تو بندوں کو اس سے روکتا ہوں۔“ حضرت سید ناموی کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصَّلوةُ وَ السَّلَامُ نے بنی اسرائیل کو حکم فرمایا کہ تم سب بارگا و رب العزت میں چخشی سے تو بہ کرو۔ جب سب نے توبہ کی تو اللہ عز وجل نے انہیں باش عطا فرمادی۔ (احیاء علوم الدین، بكتاب الاذكار والدعوات)

کسی دانا کا قول ہے: چغل خوری والوں میں شمنی پیدا کرتی ہے اور جس نے تمہاری چغلی کی بے شک اس نے تمہیں کالی دی اور جو تمہارے سامنے کسی کی چغلی کرتا ہے وہ تمہاری بھی چغلی کرتا ہو گا چغل خور جس کے سامنے چغلی کرتا ہے اس کے لئے جھوٹ بولتا ہے اور جس کی چغلی کرتا ہے اس سے بدیانتی کرتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے کسی اللہ والے سے آکر کہا، حضرت فلاں آدمی آپ کو برا بھلا کہہ رہا تھا، آپ سن کر غاموش ہو گئے، کچھ جواب نہیں دیا، جب مجلس ختم ہو گئی تو گھر تشریف لے گئے اور ایک بہت بڑا تحفہ تیار کر کے اس برائی کرنے والے کے گھر بھیج دیا لوگوں نے کہا کہ حضرت وہ آپ کو برا بھلا کہہ رہا تھا اور آپ نے اس کے پاس تخفہ بھیجا ہے، انہوں نے جواب میں فرمایا: وہ تو میرے محسن ہیں، اس لئے کہ اس نے برائی کر کے میری نیکیوں میں اضافہ کر دیا ہے، یہ اس کا مجھ پر احسان تھا کہ آخرت میں میری نیکیاں بڑھادیں۔ تو میں نے دنیا میں اس کے بدالے میں بدیانتی بھیج دیا۔ الغرض! کسی کی بات سن کر دوسرا سے اس طور پر کہہ دینا کہ دونوں میں اختلاف اور جھگڑا ہو جائے ایسا کرنا چغلی کہلاتا ہے۔ افسوس صد افسوس! آج ہمارے معاشرے میں یہ مرض تیزی کے ساتھ عام ہوتا جا رہا ہے۔ اس لیے ہر مسلمان مرد اور عورت پر ضروری ہے کہ وہ چغلی سے سختی کے ساتھ خود پنچے اور دوسروں کو بھی اس سے آگاہ رکھے، کیوں

کہ یہ جنت سے محرومی اور عذاب قبر کے اسباب میں سے ایک بدب ہے۔ ہم اس سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اللہ ہمیں اور آپ کو اچھے اخلاق اور نیک اعمال کی توفیق دے، برے اخلاق اور ناپرندیدہ اعمال سے بچائے، اور ہمیں اپنا سید حارستہ دکھانے، آمین یا رب العالمین۔

## ٹرانسجیکٹر اور ہم جنس پرستی کا ہولناک گناہ

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ عَقْيَلَ، أَنَّهُ سَمِعَ جَاءِرًا، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي عَمَلٌ قَوْمَ لُوطٍ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا: مجھے اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ جس چیز (ہولناک گناہ) کا خوف ہے وہ قوم لوط والے عمل (یعنی مردوں کی ہم جنس پرستی) کا ہے۔ (سنن ترمذی: 1457)

انسانی معاشرے میں ابلیس کے پیروکار ہمیشہ سے ہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی ناراضگی اور عذاب والے کاموں کی ترویج میں اپنے پیر و مژنڈ کے لیے کام کرتے چلے آ رہے ہیں، کبھی سب کچھ جانتے صحیح ہوئے، اور کبھی انجانے میں یوگ، جو بظاہر ہوتے تو انسان ہی ہیں، اور بسا اوقات مسلمانوں کے نام و نسب بھی رکھتے ہیں، لیکن درحقیقت یہ انسانیت کی تمام حُدود سے خارج ہو چکے ہوتے ہیں، اور ایسے کاموں میں ملوث ہوتے ہیں اور ان کاموں کی طرف مائل کرتے ہیں جن کاموں سے کوئی بھی صاف اور اچھی ذنبیت والا انسان کراحت کرتا ہے، خواہ مسلمان ہو یا کافر یا کوئی وہ اچھی طرح سے سمجھتا ہے کہ وہ کام انسان کے کرنے کے ہی نہیں انہی کاموں میں سے ایک کام جنسی تعلقات کی آزادی ہے، اور اس آزادی کا ایک انداز ہم جنس پرستی ہے۔

اسلامی معاشرے پر تہذیبی غلبہ پانے کیلئے مختلف ادوار میں کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔ حالیہ دور میں ٹرانسجیکٹر رائیکٹ کے ذریعے پاکستان کے خاندانی اور معاشرتی نظام پر شدید حملہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس حملے کا اگر بر وقت تدارک نہ کیا گیا تو اس کے تباہ کن نتائج سامنے آئیں گے۔ ٹرانس جینڈر بل قرآن و سنت سے بغاوت ہے۔ اس بل کے حوالے سے بڑی چالائی کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ یہ قائنین تو خواجہ سراوں کے حقوق کے تحفظ کیلئے بنائے جا رہے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے تیسری جنس سے تعلق رکھنے والے شہریوں کے حقوق پر ڈاکا ڈالا گیا اس بل میں یہ کہا گیا کہ کسی بھی شخص کی جنس کا تعین اس کی اپنی مرثی کے مطابق ہو گا۔ اس

کامطلب یہ ہو گا کہ کوئی مرد اٹھے اور اعلان کر دے کہ مجھ میں تو عورت والی حیات پیدا ہو چکی میں لہذا آج سے مجھے عورت سمجھا جائے تو نہ صرف اس کے دعوے کو قبول کیا جائے گا بلکہ اس کے مطابق اس کو دستاویزات یعنی شاختی کارڈ اور پاسپورٹ وغیرہ بھی جاری کیے جائیں گے۔

انسانی جسم کے حوالے سے قرآن کریم کا بڑا واضح حکم ہے کہ کسی انسان کو یقین حاصل نہیں کروہ اپنے جسم میں ایسی تبدیلیاں پیدا کرے کہ جس سے اس کی ساخت تبدیل ہو جائے کیوں کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان اپنے جسم کا خود مالک ہی نہیں بلکہ یہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی امانت ہے اور وہ اس امانت میں اللہ کی طرف سے طے کردہ اصولوں کے مطابق ہی تصرف کر سکتا ہے۔ تاہم ”میرا جسم میری مرنی“، والے طبقے کی خوشنودی کیلئے مذکورہ قانون کے تحت ایک سنگین فتنے کا راستہ کھول دیا گیا ہے جس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں رکھی گئی۔

اسی طرح رحمت عالمی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کا حلقہ اختیار کرتی ہیں اور ایسے مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کا حلقہ اختیار کرتے ہیں لیکن ٹرانس جینڈر ایکٹ کے ذریعے اس کی مکمل آزادی دے دی گئی ہے۔ اور اگر جنس میں تبدیلی کا اختیار اگر عوام کو دے دیا جائے تو نہ صرف اسلامی تعلیمات کی واضح اور صریح خلاف ورزی ہو گی بلکہ آئین پاکستان کی بھی سنگین خلاف ورزی ہو گی۔ اس قانون کے مطابق اگر عورتوں اور مردوں کو اپنی جنس کی تبدیلی کا کھلا اختیار دے دیا جائے تو پھر اس کے عمل درآمد میں اتنی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی، جن کا تصور ہی محال ہے اس قانون کا ایک اور خطرباک۔ بہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعے ہم جنس پرستی کو فروغ ملنے کا اس قانون کے مطابق کوئی بھی مرد خود کو عورت قرار دے کر کسی بھی مدد سے شادی کر سکے گا یہی صورت عورتوں میں بھی پیدا ہو سکتی ہے۔

انسان کو اس کی خواہشات کی تکمیل کے لیے آزاد سمجھنے اور سمجھانے والے ”انسانی اور اخلاقی پابندیوں سے آزاد، بلکہ حیوانیت کی حدود سے بھی خارج ہو جانے والے“ وہ لوگ جو ”بلز“ کہلاتے ہیں، انسانوں کو دینی، مندی، اخلاقی، حتیٰ کہ فطری انسانی پابندیوں سے بھی آزاد کروانے کے لیے اپنے آقا بلیں کے ہر فسفہ کا پرچار کرتے ہیں۔ یوگ کسی بھی قسم کے انسانی، معاشرتی، اخلاقی اور دینی خواہیں کا کوئی بھی لحاظ کر کے بغیر جنی طلب کی تکمیل کو بھی انسان کا ایسا حق بنانا کر دھانے اور سمجھانے کی کوششیں کرتے ہیں جس کے لیے انسان کو

کسی بھی قسم کی کوئی پابندی قبول نہیں کرنا چاہیے۔ یونکہ اس وجہ سے معاشرتی بگڑ کا ایک ایجاد روازہ کھل جائے گا جو معاشرے کی بنیاد میں بلا کر رکھ دے گا۔ اگر اس معاملے پر بھی ہم وہی روایتی ہے جسی کا موقف انتیار کر کے سوئے رہے تو ہمیں قدرت کے غیظ و غضب سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ خالق نے اپنے مخلوق کو جن کاموں سے منع فرمایا ہے اسی میں مخلوق کی عافیت ہے، دنیاوی طور پر بھی، دینی طور پر بھی، اور آخری طور پر بھی ان انسانوں کی دو جنس ہیں اور ظاہر ہے کہ ہم جنس پرستی اپنی اپنی جنس کے فرد کے ذریعے اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف انسانوں میں ہی نہیں، جانوروں میں بھی مخالف جنس کے ساتھی کو جوڑا بنا�ا ہے، ان ”لبڑا“ نامی حیوانات سے تو وہ اصلی حیوانات بہتر ہیں جو اپنے خالق کی مقرر کردہ فطرت پر عمل پیرارہتے ہیں، اور سوائے خنزیر اور گدھ کے کوئی اور جانور اس کراہت زد گھن آلو فعل میں ملوٹ نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کا جوڑا مرد اور عورت بنایا ہے، اور اسی طرح زندگی میں بس کرنے میں سکون والطینان رکھا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًاٖ تَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ  
مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ

اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تم (انسانوں) کے لیے تمہاری ہی جنس میں سے بیویاں بنائیں تاکہ تم لوگ (اپنی) اس (بیوی) میں سکون پاؤ، اور تمہارے درمیان مجت اور رحمت مہیا کی، یقیناً اس میں غور فکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ (سورۃ الروم)

پس جو کوئی اس جوڑے کے علاوہ کوئی اور جوڑا بناتا ہے، سب سے پہلے تو وہ اپنے خالق کی مقرر کردہ را کو چھوڑ کر اپنے لیے اللہ کی ناراٹگی حاصل کرتا ہے، اور اس کے علاوہ دنیاوی طور پر بھی حقیقتاً کوئی سکون نہیں پاتا، جنس اپنی حیوانی خواہش کو مکمل کرتا ہے اور اس میں ملنے والی وقتی، معمولی سی جسمانی لذت کو ایلیسی وحی کے زیر اثر سکون سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ہر پابندی، اللہ تعالیٰ کا ہر حکم اس کے بندوں کی خیر کے لیے ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر اس کی رحمت ہی ہے، اور ہر اس سوچ سے نہ صرف خود بچے بلکہ سب کو بچانے کی کوشش کیجیے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف لے جاتی ہو۔ خواہ اس کا عنوان کتنا ہی لکش ہو۔ معاشرے کے تمام طبقات خصوصاً علماء سے کرام سے گزارش کروں گا کہ وہ مسلمی اختلافات کو پس پشت ڈالیں، اس اہم مسئلے پر اپنا کردار ادا کریں اور اس قانون کی واپسی کی سہیل نکالیں ورنہ معاشرتی بے راہ روی کا سیلاب سب کچھ بہرا کر لے جائے گا۔

## ہر پریشانی کا حل

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّادَ أَيْسَرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَزِمَ الْإِسْتِغْفَارَ، جَعَلَ اللَّهُ لَهُ مِنْ كُلِّ هِمَةٍ فَرْجًا، وَمَنْ كُلِّ ضَيْقٍ فَحْرَجًا، وَرَزَقَهُ مَنْ حَيْثُ لَا يَجْتَسِبُ. سَنَنُ ابْنِ ماجَهٍ - آدَابُ كَابِيَانٍ - حَدِيثُ نَمْبَر١٩٣٨

سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے استغفار کو لازم کر لیا تو اللہ تعالیٰ اسے ہر غم اور تکلیف سے نجات دے گا، اور ہر تنگی سے تکلنے کا راستہ پیدا فرمادے گا، اسے ایسی بگہ سے رزق عطا فرمائے گا، جہاں سے اسے وہم و مگان بھی نہ ہو گا۔ (سنن ابن ماجہ - آداب کابیان - حدیث نمبر 3819)

آج ہم گناہوں کے سمندر میں غرق ہیں۔ قدم قدم پر رب کریم کی نافرمانیاں کر رہے ہیں۔ ہماری صبح، ہماری شام، ہماری رات معصیتوں سے آلوہ ہیں۔ نفس و شیطان کے چھپل میں پھنس کر ہم اپنے رحیم و مہربان پر ورد گاری بغاوت کے مرتكب ہو رہے ہیں۔ دنیا کی محنت نے ہمیں آخرت سے غافل کر رکھا ہے۔ اس فانی، عارضی اور ختم ہو جانے والی زندگی کو ہم نے اپنا مٹھ نظر بنا یا ہوا ہے۔ خوف، غدا، فکر، آخرت اور بارگاہ الہی میں حاضری کا احساس ختم ہوتا جا رہا ہے۔ نتیجہ سامنے ہے۔ گناہوں کی کثرت نے ہم پر آفات و بدیات، اور مصائب و آلام کے وہ پہاڑ توڑے کے الامان والخیز! اس حدیث مبارکہ میں ہمارے پیارے نبی جناب رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو کوئی استغفار کو لازم پکوئے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر تنگی میں آسانی، ہر غم سے دوری (کاسامان) پیدا فرمائیں گے اور اسے ایسی بگہ سے رزق نصیب فرمائیں گے، جہاں اس کا مگان بھی نہ ہو گا۔“

ہر انسان سے خطاء، غریش اور غلطی کا صدور ہو سکتا ہے، لیکن بہترین خطاء کار اور گناہ گاروہ ہے جو اپنے کیے پر نادم و شرم سار ہو، جسے اس حقیقت کا احساس ہو کہ میر ابد عمل محفوظ کر لیا گیا ہے اور میر ارب مجھ سے اس بارے میں یقیناً پوچھے گا۔ یہی وجہ ہے صاحب ایمان کو بار بار گناہوں کے ”تیاق“ کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ قدر آن کریم کی

درجہ ذیل آیات مبارکہ توہہ و استغفار کی اہمیت بیان کرتی ہیں، یکٹوں احادیث مبارکہ میں انابت اور جو علی اللہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بندہ گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد مایوس و پریشان ہو جائے، بلکہ کتاب مبین میں خطا کاروں کے واسطے صاف صاف اعلان کر دیا گیا ہے: ”اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔“ پھر سچے دل سے استغفار و توہہ اور باری تعالیٰ کے سامنے اقرارِ معصیت کی خیر و برکات دونوں ہجانوں میں نصیب ہوتی ہیں۔ استغفار کا عمل اللہ تعالیٰ کو بے محجوب ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک عمل سے بھی امت کو استغفار کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: ”اے لوگو! اللہ کے سامنے توہہ کرو، بے شک میں بھی دن میں سوم تربہ کرتا ہوں (صحیح مسلم) بعض لوگ یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ ہم توہہ کے باوجود گناہوں سے باز نہیں آ رہے تو پھر ایسی توہہ اور ایسے استغفار کا کیا فائدہ؟ حالاں کہ حدیث مبارکہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص استغفار کرتا ہے، اسے (گناہ پر) اصرار کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا، اگرچہ دن میں ستر مرتبہ وہ اس گناہ کا ارتکاب کیوں نہ کرے۔“ (سنن ابو داؤد)

گناہوں پر شرم سار ہونا، اپنی لغوش کا اقرار کرنا اور اپنے جرم کا اعتراف کرنا، وہ مبارک و بارکت عمل ہے جس کا توڑ شیطان کے پاس نہیں۔ اسی لئے ایلیس نے کہا: ”میں انسانوں کے درمیان ایسی چیز پھیلاوں گا جس پر انہیں استغفار کرنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔“ امام او زاعی فرماتے ہیں: ”شیطان نے انسانوں میں خواہشات و متناوں کو پھیلایا (جسے کوئی گناہ نہیں سمجھتا) اور اس پر استغفار نہیں کرتا۔“ (سنن دارمی)

حضرت ابوسعید خدري رضي اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”بے شک شیطان نے (حق تعالیٰ سے) کہا تھا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! میں ہمیشہ تیرے بندوں کو گراہ کرتا رہوں گا، جب تک ان کی روحلیں ان کے جسموں میں موجود رہیں گی۔“ (جواب میں) اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا: ”میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! میرے بلند مرتبے کی قسم! جب تک میرے بندے مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے، میں انہیں معاف کرتا رہوں گا۔“

آخر میں سمجھنے کی اہم بات یہ ہے کہ توہہ کی تین شرائط ہیں: پہلی شرط: آدمی گناہ سے فی الغور باز آجائے۔ دوسری شرط: اپنے کیے پر نا دم ہو۔ تیسرا شرط آئندہ اس گناہ کو نہ کرنے کا پکشنا ارادہ ہو۔ اگر ان باتوں میں سے

ایک بھی کم ہوت تو بنا مکمل رہے گی۔ اور یہ شرائط اُس وقت میں جب مقصیت و گناہ کا تعلق بندے اور رب کے درمیان ہو، اگر وہ گناہ کسی انسان سے بھی متعلق ہے تو اس میں پچھی شرط یہ ہے کہ صاحب حق کو اُس کا حق لوٹایا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کثرت استغفار کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یارب الْعَلَمَيْنَ)

## ڈاڑھی نہ رکھنے کا گناہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُزُوا إِلَيْهِ وَإِلَيْهِ مَا حُسِنَ وَلَا إِلَيْهِ وَلَا حُرِّكَ شَيْءٌ إِلَّا حَلَفُوا الْمَجُوسَ.

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مونخوں کو کتراؤ اور ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور مجوس یعنی آتش پرستوں کی مخالفت کیا کرو۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ..... میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ میری سب امت کی معافی کر دی جائے گی، مگر حکم خلا گناہ کرنے والوں کی نہیں، اور حکم خلا گناہ میں یہ بھی داخل ہے کہ آدمی رات میں کوئی (گناہ کا) عمل کرے، پھر صح کرے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے عیسیٰ پر پردہ ڈالا ہوا ہے، پھر وہ یہ کہے کہ اے فلانے! میں نے رات اس طرح اور اس طرح (گناہ کا) عمل کیا ہے، اور کوئی شخص اس حال میں رات گزارے جس پر اس کے رب نے پردہ ڈالا ہوا ہے، اور وہ صح کر کے اللہ کے پردہ کو اپنے اور پر سے اٹھا دے (محاری مسلم)

صحیح احادیث کی روشنی میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ ڈاڑھی رکھنا واجب عمل ہے، اور واجب عمل کو چھوڑنا گناہ ہے، یہونکہ واجب عمل کا درجہ فرض کے قریب ہوا کرتا ہے اور اس کی خلاف ورزی عملًا حرام ہوتی ہے۔ اور اسی لئے اکثر ویشنوفہتائے کرام نے ڈاڑھی منڈائے تو حرام فرمایا ہے چنانچہ ڈاڑھی کو منت قرار دے کر یہ دعویٰ کرنا کہ اگر کوئی ڈاڑھی نہ رکھے تو گناہ گا رہیں، یہ سراسر غلط فہمی پر بنی ہے۔

دین کے اہم اور واجبی احکام میں سے آج کے دور میں ایک متروک و مظلوم حکم ڈاڑھی ہے جس پر اس صدی میں عموماً عالم اسلام اور خوصاً عالم کفر کی طرف سے جتنے نشر چلاتے گئے وہ شاید دین کے کسی اور حکم پر مشتمل ہی ملیں گے۔ روز مرہ لاکھوں کے حساب سے صح اٹھتے ہی بے دردی کے ساتھ ذبح ہونے والی چیز رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم الصلاٰۃ والسلام کی پیاری سنت اور شریعت کا ایک ایسا واجب اور فطری عمل ہے، جس کی خلاف ورزی سے کتنی گناہ لازم آتے ہیں، جبکہ بعض اہل علم حضرات کے بقول اس میں چوبیں گھنٹے گناہ کا تسلیم جاری رہتا ہے مگر افسوس کہ اس کو تراش کر اور کاٹ کر گندی نالیوں میں بہادیا جاتا ہے۔ نعوذ باللہ تعالیٰ من ذالک۔ مردانہ چہرہ پر شرعی مقدار کے مطابق ڈاڑھی کا ہونا اسلامی شان اور مردانگی کی علامت اور انسانی شرافت و عظمت کی نشانی اور فطرت کا تقاضا ہے، اس سے مرد کے چہرہ کو جمال اور زیب و زینت حاصل ہوتی ہے۔

ایک گناہ تو یہ ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور انبیاء علیہم الصلاٰۃ والسلام کے متفقہ دماثکہ طریقہ کی مخالفت پائی جاتی ہے، کیونکہ ڈاڑھی بڑھانا فطرت اور انبیاء علیہم الصلاٰۃ والسلام کا طریقہ ہے، جس کی اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا ہے، جس کی پیری وی واجب ہے۔ ☆..... اور یہ گناہ اعلانیہ اور کھلے عام ہوتا ہے اور جو لوگوں کی نظروں میں مخفی نہیں رہتا اور گناہ کو ظاہر کرنا بھی مستقل گناہ ہے تو جو گناہ ہر وقت لوگوں کے سامنے ہو، وہ کیسے حکم کھلا گناہ میں داخل نہ ہو گا۔

اور ڈاڑھی منڈانے میں کافروں کے ساتھ مشاہدہ بہت پائی جاتی ہے، اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی بڑھانے کا حکم فرماتے وقت کافروں کی مخالفت کا بھی ذکر فرمایا ہے، اور احادیث میں کافروں کے ساتھ مشاہدہ اختیار کرنے پر بڑی سخت وعید آتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر و بن عاصی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے غیروں کے ساتھ مشاہدہ اختیار کرے، اور تم نہ یہود کے ساتھ مشاہدہ اختیار کرو، اور نہ نصاری (یعنی عیسائیوں کے ساتھ) (ترمذی) اور ڈاڑھی منڈانے میں خواتین کے ساتھ مشاہدہ اختیار کرنا پایا جاتا ہے، کیونکہ ڈاڑھی کو اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کے درمیان امتیازی شرف کی چیز نایا ہے۔ اور جس عمل میں عورتوں کے ساتھ مشاہدہ اختیار کرنا پایا جاتا ہو، ایسے عمل کو اختیار کرنا احادیث کی رو سے گناہ، بلکہ باعث لعنت عمل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ مشاہدہ اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کے ساتھ مشاہدہ اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے (بخاری) اور ڈاڑھی منڈانے میں بھروسے عورتوں کے ساتھ بھی مشاہدہ پائی جاتی ہے، اور یہ بھی مستقل گناہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محنث (یعنی بھروسہ) بننے والے مردوں پر اور سرد بننے والی عورتوں پر لعنت

فرمانی ہے (بخاری)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختث (یہ جوہ) بنے والے مردوں پر اور مرد بننے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ مرد بننے والی عورتیں کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ عورتیں جو مردوں کی مشاہدہ اختیار کریں (مسند احمد)

ڈاڑھی منڈا کریا ایک مٹھی سے کم کرا کر جب تک انسان اس عمل کا مرتكب رہتا ہے، اس وقت تک اس کا گناہ برابر جاری رہتا ہے (احسن الفتاوی) ڈاڑھی رکھنا اسلام یا کم از کم نیک اور دیندار لوگوں کا شعار ہے: جس کی حفاظت واجب ہے، اور اس کی خلاف ورزی کرنا گناہ ہے، یونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی بڑھانے کا حکم فرماتے وقت کافروں کی مخالفت کا ذکر فرمایا ہے (نهاۃ اللمفی) اور اگر اس گناہ کو بار بار دہرا یا جائے تو اس کی سعگینی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ ڈاڑھی کے بارے میں شریعت کی طرف سے اہمیت و تاکید کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض اہل علم حضرات نے اسے اسلامی شعائر میں داخل کیا ہے اور ڈاڑھی منڈا نے کے گناہ کو مُسلِّم جباری رہنے والے گناہوں میں شمار فرمایا ہے۔

ملحوظ رہے کہ اگر ڈاڑھی پوری طرح منڈا ائی نہ جائے بلکہ کاٹ کر ایک مٹھی سے کم کردی جائے تو بھی گناہ ہے، یونکہ اس میں بھی بنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت اور کافروں کی مشاہدہ پائی جاتی ہے۔

ڈاڑھی تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا متفقہ عمل اور مستقل معمول اور خود ہمارے آخری بنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و تابعین عظام اور محدثین و فقیہاء کرام، بلکہ تمام اولیاء کرام جمیم اللہ تعالیٰ علیہم جمعین کا دامی عمل ہے۔ ڈاڑھی شرافت اور بزرگی کی علامت ہے، چھوٹے اور بڑے میں، اور مسرو و عورت میں امتیاز و فرق کرنے والی ہے، اس سے مردانہ شکل کی تتمیل اور صورت نو رانی ہوتی ہے۔ اور بنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ڈاڑھی رکھنے اور موچھیں بٹانے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔ اور اس کے عکس ڈاڑھی موٹڈ نے اور موچھیں بڑھانے کو غیر مسلموں کا طریقہ قرار دے کر ان کی مخالفت کا حکم فرمایا ہے۔ لہذا ڈاڑھی انتہائی احترام کی چیز ہے اور اس کا کھنا واجب اور ضروری ہے اور اس کو منڈا نا سخت گناہ ہے۔ اگر بنی صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے محبت رکھے گا تو ان کے ساتھ ہوگا۔ اور اگر کافروں کے ساتھ محبت رکھے گا تو ان کے ساتھ ہوگا۔ اور کسی سے پچھی محبت کی علامت بھی یہی ہے، کہ جب کسی سے انسان کو محبت ہوتی ہے، تو اس کی اتباع

بھی ہوتی ہے۔ لہذا اس کا تقاضا بھی یہ ہوا کہ اگر ڈاڑھی سے محبت کرے گا، اور شریعت کا حکم بھج کر ڈاڑھی رکھے گا، تو وہ درحقیقت نبیوں کے ساتھ ہو گا، اور یہی مقبول انتہی ہونے کی نشانی ہے۔

## صدقة جارية کے کام

عَنْ أَنَّىٰ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَرْعَ عَزْرًا فَيَا كُلُّ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَيْتٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ. وَقَالَ لَكُمْ مُسْلِمٌ :

سیدنا حضرت انس بن مالک نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی بھی مسلمان جو ایک درخت کا پودا لگاتے یا کھیتی میں بیج بوئے، پھر اس میں سے پرندہ یا انسان یا جانور جو بھی کھاتے ہیں وہ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔ (صحیح البخاری 2320)

کھیتی باڑی اہم انسانی کارکردگی اور کٹیویٹیز میں سے ہے، یہ روزی کے حصول کا سبب ہے اور بہ اوقات یہ مال داری اور ثروت کا بھی ذریعہ ہوتی ہے۔ انسان جب کوئی کھیتی کرتا ہے اور اس میں کوئی انسان، پرندہ یا جانور کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ اسے کھیتی کرنے والے کے لیے صدقہ لکھ دیتا ہے، حالانکہ کھیتی کرنے والے نے حقیقت میں اسے صدقہ کے لیے نہیں بویا تھا، بلکہ اس نے روزی اور تجارت کی وجہ سے بویا تھا۔

مؤمن اس عارضی دنیوی زندگی میں اپنی موت سے پہلے پہلے جو بھی نیک کام کرے گا؛ چاہے اپنی زبان سے ہو کہ ہاتھ سے یا اپنے مال کے ذریعہ اس کا ثواب ضرور پاپے گا یعنی عمل کا اجر اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا؛ لیکن مرنے کے بعد عمل کا دفتر بند ہو جاتا ہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی کوئی عمل کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے؛ اس لیے نیکیوں پر اجر و ثواب کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے؛ البتہ چند اعمال و اہاب ایسے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی اس کا اجر میت کو پہنچا رہتا ہے۔ (یہی حال اس کے برے عمل اور کٹکاہ کا ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل بند ہو جاتا ہے؛ مگر تین چیزوں میں: (۱) ایک صدقہ جاریہ یعنی ایسا صدقہ جس سے زندہ لوگ نفع حاصل کرتے رہیں

(۲) دوسری ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں (۳) تیسرا ایسی نیک اولاد جو اپنے والدین کے لیے دعا کرتی رہے، ان تین قسم کے اعمال کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یعنی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔ (رواه مسلم)

ایک دوسرے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا: بے شک مومن کے عمل اور اس کی نیکیوں میں سے جس کا ثواب مومن کو اس کے مرنے کے بعد پہنچتا رہتا ہے: (۱) وہ علم ہے جو اس نے دوسرے کو سمجھایا اور پھیلا دیا (۲) یا نیک اولاد جو اس نے چھوڑی ہے (۳) یا قرآن پاک کا کسی کو وارث بنایا یعنی تلاوت کے لیے وقف کر دیا (۴) یا مسجد تعمیر کی (۵) یا مسافر کے لیے کوئی سرائے یعنی مسافر غانہ بنایا (۶) یا نہر جاری کی (۷) یا اپنے مال میں سے نفلی صدقہ نکالا، تندرتی اور زندگی میں تو ان چیزوں کا جو ثواب مرنے کے بعد بھی میت کو پہنچتا رہے گا۔

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنی زندگی میں کوئی ایسا نیک کام کر جائے مثلاً مسجد بنوادی، مدرسہ بنادیا یا اپنے کو حافظ قرآن، عالم دین بنادیا یا کوئی رفاه عامہ کے لیے مکان تعمیر کر دیا ہو تو جب تک یہ چیزیں باقی رہیں گی ان کا ثواب اس کو بھی ملتا رہے گا اور اس طرح اگر کوئی بندہ کسی میت کے لیے اعمال بد نیہ یا مالیہ کا ثواب پہنچا سے تو یہ جائز ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ یا ایسے ہی ہے جیسے کسی کی زندگی میں اس کو ایصال ثواب کرنا جس طرح زندگی میں اس کا ثواب اس کو پہنچ جاتا ہے ایسے ہی مرنے کے بعد بھی پہنچ جاتا ہے۔

اُنہیں چاہئے کہ اپنے لئے اور اپنے مر جو میں کے لئے (۱) کسی بھی قسم کا صدقہ جاریہ ان کے لیے قائم کر دیں، مثلاً مسجد، مدرسہ مسافر غانہ کی تعمیر میں حصہ لیں، یا پانی کا کنوں ہینڈ پاپ حسب ضرورت و موقعہ سرستیں وغیرہ لگو اکران کو ثواب پہنچنے کی نیت کر لیں۔ (۲) مالی صدقات مثلاً کسی غریب کے ھانے، پکڑے، مکان کا بندوبست کرنے میں تعاون کر دیں، یا نقد روپے سے اس کی مدد کر دیں، اکر اگر کوئی شخص دین دار یا طالب علم ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ (۳) قرآن کی تلاوت، کلم طبیدہ کا ورد کر کے ثواب پہنچا دیں یا نفلی حج، عمرہ، نماز، روزہ ادا کر کے ثواب پہنچا دیں، منذکورہ سارے طریقے دادی کو فائدہ پہنچانے کے میں، حسب موقع اور گنجائش جو چاہیں اختیار کر لیں۔ اللہ رب العزت ہمیں نیک اعمامی توفیق دیں۔

## آبرو(شرمگاہ) کی حفاظت

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا امْرَأٌ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ (رواه مسلم)

سیدنا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی مرد کی دوسرے مرد کی شرم گاہ کو نہ دیکھے اور نہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کی شرم گاہ کو دیکھے۔“ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

آن بے حیائی کا دور دورہ ہے، دنیا گناہوں کے سمندر میں غرق ہے، چاروں طرف فحاشی پھیلی ہوئی ہے، یقیناً اس کے بہت سے اسباب ہیں، مگر اس کا ایک سبب بد نظری اور نظری کے اعتیالی بھی ہے، یہ ایک ایسا ہتھیار ہے جس کو شیطان انسان کے ہاتھ میں دے کر پوری طرح مٹلن ہو چکا ہے، اب اسے کبھی کسی طاقتی منصوبے کو بروئے کارلانے میں زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑتی، یہ بد نظری خود بخود اس کی آزوؤں کی ناظرخواہ ٹکمیل کر دیتی ہے۔ نظر کی حفاظت میں کوتاہی بے شرمی کی بنیاد، فتنہ و فساد کا موثر ذریعہ اور مذکرات و معاصی کا سب سے بڑا مرک ہے، یہ حدیث ایک بہت اہم مسئلہ کے بارے میں ہنمائی کرتی ہے، جس کو جاننا اور اس پر عمل کرنا ہم پر واجب ہے۔ انسان چاہے مرد ہو یا عورت، اس کے حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہم پر واجب ہے۔ اس کے پاس شرم گاہ چھپانے کی چیز ہے، جس کا پر دہ کرنا ضروری ہے، اسی طرح دوسرے شخص پر واجب ہے کہ وہ اس سے نگاہ پست رکھے۔

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

قُلْ لِلّمُؤْمِنِينَ يَغْضُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَخْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ آزْكِي لَهُمْ  
 (آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں پنچی کھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے۔)

بدنظری کا حاصل یہ ہے کہ کسی غیر محروم پر نگاہ ڈالنا، بالخصوص جبکہ شہوت کے ساتھ نگاہ ڈالی جائے، یا لذت حاصل کرنے کے لیے نگاہ ڈالی جائے خواہ غیر محروم کی تصویر کیوں نہ ہو۔ اور ایسی چیز کو دیکھنا جس سے شریعت نے روکا ہو۔

قرآن و حدیث میں وارد حکم کا تعلق ایک مرد کا دوسرے مرد سے اور ایک عورت کا دوسری عورت سے متعلق ہے۔ لہذا کسی آدمی کا عورت کے ستر کو دیکھنے اور کسی عورت کا کسی مرد کے ستر کی جگہ دیکھنے سے متعلق بدرجہ اوپر وہی حکم ہوا جو حکم ایک مرد کا دوسرے مرد اور ایک عورت کا دوسری عورت کے ستر کی جگہ دیکھنے سے متعلق ہے۔ شرم گاہ دیکھنا یہ بھی بدنظری کی صورت ہے، یہ کسی بھی طرح جائز نہیں کہ انسان کسی کی شرم گاہ دیکھنے اس سے بے شمار تقصیمات پیدا ہوتے ہیں۔ شریعت نے تو میاں یہوی کے لیے اور خود انسان کے لیے ہدایت کی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی شرم گاہ دیکھنے اور اپنی شرم گاہ دیکھنے سے پد تیز کریں۔

جب ہم نے اس کا حکم جان لیا تو ہم پر ضروری ہے کہ اپنی شرم والی حفاظت کریں اور اس کو چھپائیں، تاکہ لوگ اسے نہ دیکھ سکیں اور اس معاملے میں کبھی بھی سستی سے کام نہ لیں، چاہے اس کا تعلق دیکھنے سے دایا چھوٹے ہے۔ اور ہم اس بات کو جان لیں کہ یہ ایسا معاملہ ہے، جس کے بارے میں کسی بھی حال میں سستی، مذاق اور تسامح (درگز رکرنا) جائز نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جس شخص کو اس کی زبان اور اس کی شرم گاہ کے شر سے بچا لیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (ترمذی) اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حیا کرنے والا اور ستر پوشی پسند کرنے والا ہے۔ اس لیے جب تم میں سے کوئی غسل کا رادہ کرے تو کسی چیز سے اڑ کر لے۔

مگر افسوس کہ تہائی میں ہم کیا اہتمام کرتے بلکہ آج دریاؤں، سمندر کے ساحل پر بھی ہم ستر کا خیال نہیں کرتے۔ یاد رکھتے والدین کے اعمال و اخلاق کا اولاد پر بہت اثر پڑتا ہے۔ اگر ہم شرم و حیا کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوں گے تو ہماری اولاد بھی انہیں صفات و خصائص کی حامل ہوگی اور اگر ہم شرم و حیا کا خیال نہ رکھیں گے تو اولاد میں بھی اس طرح کے خراب جراشیم سرایت کر جائیں گے۔

اسلام عفت و عصمت اور پاکیزگی قلب و نگاہ کا دین ہے۔ اسلام ہی دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے

عورتوں کو ان کے اصل مقام و مرتبے سے ہمکنار کیا۔ اس کی عزت و آبرو کے لیے جامع قوانین متعین کیے، عورت کو وراثت میں حصہ اٹھہ رہا یا، اس کے عائلی نظام کو مضبوط کیا۔ اسلام کے معاشرتی نظام کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں خاندان کے عناصر کی تعداد بہت وسیع ہے۔ اسلام نے اس حوالے سے جس اہتمام کے ساتھ احکام بیان کیے ہیں، اگر حقیقتاً مسلمان ان سے آگاہ ہو جائیں، ان پر اسی طرح ایمان رکھیں جس طرح ایمان رکھنے کا حق ہے اور حقیقی طور پر ان کا نفاذ کر لیں تو ایک مضبوط، خوشحال اور باتیٰ مجتہ کا خوگر خاندان تشکیل پاسکتا ہے۔ مغرب اور اسلام کے تصور خاندان میں یہ فرق ہے کہ مغرب میں صرف ایک مرد اور ایک عورت کے جوڑے پر مبنی ہے اور بیٹھے، بیٹیاں جوانی کو پہنچتے ہی اپنی راہ لیتے ہیں۔ بچوں کے جوان ہونے کے ساتھ ہی والدین کا ان سے کوئی عملی تعلق نہیں رہتا۔ اسلام میں خاندان سمتا اور سکڑا ہوا نہیں بلکہ وسیع اور پھیلا ہوا ہے۔ دنیا میں اسلام سے بڑھ کر کوئی مذہب بے حیائیں پرروک لگانے والا نہیں ہے۔ قرآن و حدیث میں فحاشی کی بنیاد یعنی آنکھ کی بے اعتیالیٰ کو سختی سے قابو میں کرنے کی تلقین کی گئی ہے یہ ایسی بنیاد ہے اگر صرف اس پر ہی قابو پالیا جائے تو ساری بے حیائیاں دنیا سے رخصت ہو سکتی ہیں۔

عمر شاheed Library  
Umar Shaheed Library  
[www.umarllibrary.org](http://www.umarllibrary.org)

## صدقہ کی آسان صورتیں

عَنْ أَبِي ذِئْرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَبَسَّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَأَمْرُكَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ، وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الظَّهَّارِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَبَصَرُكَ لِلرَّجُلِ الرَّدِيءِ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَإِمَانَكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَةَ وَالْعَظَمَ عَنِ الظَّرِيقِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَفِرَاغُكَ مِنْ دُلُوكِ فِي دُلُوكِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ<sup>1</sup>

سیدنا حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کے سامنے تمہارا مسکرا نا تمہارے لیے صدقہ ہے، تمہارا بھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا صدقہ ہے، بھٹک جانے والی جگہ میں کسی آدمی کو تمہارا راستہ دکھانا تمہارے لیے صدقہ ہے، نایبنا اور کم دیکھنے والے آدمی کو راستہ دکھانا تمہارے لیے صدقہ ہے، پتھر، کاشٹا اور پڑی کو راستے سے ہٹانا تمہارے لیے صدقہ ہے، اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں تمہارا پانی ڈالتا تمہارے لیے صدقہ ہے۔  
نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

**تَبَسَّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ**

اپنے بھائی کے سامنے تمہارا مسکرا نا تمہارے لیے صدقہ ہے۔ (سنن ترمذی: 1956)  
مسکراہٹ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی اور ظہیم نعمت ربانی ہے۔ مسکراہٹ انسانی پھرے پر خود اڑھونے والا سب سے خوبصورت جگہ ہے جو انسان کی خوبصورتی اور مجموعی شخصیت کو چارچاند لگادیتا ہے۔ ایسا حال جادو ہے جو دل کی گہرائی سے نکل کر ہوتا ہے پر وہ نہ ہوتا ہے بعد ازاں پس اس کی خوشبو بکھیرتا ہے اور نیسم محبت کے جھونکے پلاتا ہے۔ حمد، نفرت اور بعض کے گریں کھوں کرافٹ و محبت دلوں میں جا گزیں کرتا ہے، مسکراہٹ ایسا انمول تحفہ ہے جو غریب سے غریب آدمی بھی کو بھی پیش کر سکتا ہے۔ ہم

غام تم النبین رسول کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ پر غور کریں: آپ ﷺ نے اس حدیث مبارکہ میں اپنی امت کی رہنمائی فرمائی اور مسکراہست کی جانب توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: ”تمہارا اپنے بھائی کے ساتھ مسکراتے ہوئے چہرے سے پیش آنا بھی صدقہ ہے، سمجھ ان اللہ! کیا عالی شان فرمان ہے۔ لہذا سب کو خوشیاں دیجئے پس ارباب تینی یاد رکھیے! جو چیز دوسروں کو دی جاتی ہے وہ بڑھتی ہے کم نہیں ہوتی، کاش ہم اس نکتہ کو سمجھ سکتے۔“  
نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

وَأَمْرُكَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهِيَكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ.

تمہارا بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا صدقہ ہے۔ (سنن ترمذی: 1956)

ایمان باللہ کے بعد دینی ذمہ داریوں میں امر بالمعروف اور نبی عن المُنْكَر کا فریضہ انجام دینا سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ امر بالمعروف کا مطلب ہے نیکی کا حکم دینا اور نبی عن المُنْكَر کا مطلب ہے برائی سے روکنا۔  
نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق یہ ہمارے دینی فرائض میں داخل ہے کہ بنی نویں انسان کی دنیا کی سرفرازی اور آخرت کی سرخوبی کے لیے جو بھی بھلے کام نظر آئیں، نبی آدم کو ان کا درس دیں اور اس کی مخاف سمت چلنے سے ان کو روکیں۔ اس فریضہ سے کوئی مسلمان بھی مستثنی نہیں۔ مسلم معاشرے کے ہر فرد کا فرض ہے کہ کلمہ حق کہے، نیکی اور بھلائی کی حمایت کرے اور معاشرے یا مملکت میں جہاں بھی غلط اور ناروا کام ہوتے نظر آئیں ان کو روکنے میں اپنی ممکن حد تک پوری کوشش صرف کر دے۔ اسی عظیم مقصد کی خاطر اللہ تعالیٰ نے انہیاء کرام کو مبعوث فرمایا اور انہیاء کرام کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد امت محمدیہ کے علماء و فضلاء، مبلغین کو خصوصاً اور امت کے دیگر افراد کو عموماً اس کا مقابلہ ٹھہرایا ہے۔ قرآن و حدیث میں اس فریضہ کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ تمام مومن مردوں اور تمام مومن عورتوں پر اپنے اپنے دائرة کار اور اپنی اپنی استطاعت کے مطابق امر بالمعروف اور نبی عن المُنْكَر پر عمل کرنا واجب ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الصَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ.

بھٹک جانے والی جگہ میں کسی آدمی کو تمہارا راستہ دکھانا تمہارے لیے صدقہ ہے، (سنن ترمذی: 1956)  
ویسے تو یہ دنیا انسان کی بہت سی مادی ضرروتوں پر مشتمل ہے۔ لیکن سب سے اہم ترین ضرورت جس میں دنیا

آخرت کی کامیابی پوشیدہ ہے وہ ہدایت ہے۔ ہدایت سے مراد رہنمائی کرنا، سیدھا رستہ دکھانا، فتح مندی کاراسٹہ، انبیا کا راستہ جس کی منزل جنت ہے۔ وہ راستہ جس پر اللہ نے اپنے تمام انعام یافتہ بندوں کو چلا یا یقیناً ان سب کی زندگیاں ہمارے لئے مشعل راہ میں۔ انسان کی ذمہ داری ہے کہ معاشرتی طور پر ہدایت کے لئے کوشش کرے۔ دین کا علم حاصل کرے اور اللہ سے اس پر استقامت کے لئے مدد مانگے۔ خود ثابت قدم رہنا اور پھر دوسروں کے لئے کوشش کرنا۔ بہت اہم اور لازمی ذمہ داری ہے جو تک نہیں کی جاسکتی۔ اور جب انسان کوشش کرتا ہے تو اللہ ہدایت دیتا ہے، اللہ دل بدلت ایسا ہے، مگر ا لوگ بھی بدلت جاتے ہیں۔ آپ بھی کوشش کریں اللہ آپ کو سوہنیں کرے گا۔ لیکن اگر انسان کوشش ہی نہ کرے اللہ کادین ہی نہ سمجھے اور کہے کہ میرے نصیب میں گمراہی لکھ دی گئی ہے تو یہ گھاٹے کا سودا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

وَبَصَرُكَ لِلرَّجُلِ الرَّدِيِّ الْبَصِيرِ لَكَ صَدَقَةٌ.

نایبینا اور کم دیکھنے والے آدمی کو راستہ دکھانا تمہارے لیے صدقہ ہے، (سنن ترمذی: 1956)

کسی مسلمان کی پریشانی دور کرنا، مصیبت اور تکلیف میں اس کی مدد کرنا، دلخیارے کا دکھ بانٹنا، بھلکے ہوئے مسلمان کو راستہ بتانے والا شخص کسی نایبینا شخص کی مدد کرنا، پکڑ کر سڑک پار کر دینا، اس کو گھر تک چھوڑ آنا، یا جس طرح کی اس کو حاجت ہو۔ الغرض کسی بھی نیک اور جائز کام میں مسلمان بھائی کی مدد کرنا نہایت اجر و ثواب کا باعث ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو کوئی اپنے بھائی کو فتح پہنچا سکتا ہو تو آسے فتح پہنچاے۔ (مسلم، ص: 931، حدیث: 5731)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

وَإِمَاءَطْشُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوَّكَةَ وَالْعَظْمَ عَنِ الظَّرِيقِ لَكَ صَدَقَةٌ.

پھر، کائنات اور بُدی کو راستے سے بہنانا تمہارے لیے صدقہ ہے، (سنن ترمذی: 1956)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسلام میں ایک دوسرے کی تکلیف دور کرنے اور راہ سے رکاوٹیں بہنانے کی بھی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے، اسلام میں راستہ کی رکاوٹیں دور کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس کا اجر اتنا زیادہ بیان کیا گیا ہے کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ ”سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ

نے فرمایا کہ ایک شخص کسی راستے میں چلا جا رہا تھا کہ اس نے راستے میں کانٹوں کی ایک شاخ پڑی ہوئی دیکھی تو اس کو بہادر یا پس اللہ تعالیٰ نے اس کا ثواب اسے یہ دیا کہ اس کو خش دیا۔ (صحیح بخاری، جلد اول، حدیث 628)

راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو بہادر بینا بھی کتنی اہمیت کا حامل ہے کہ اجتماعی مفاد اور علاقہ خدا کی بجلائی کے نظریہ سے اس کو صدقہ کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ مگر ہمارے معاشرہ میں جہاں قانون شکنی کو باعث فخر سمجھا جاتا ہے ہمارے ہاں فٹ پاٹھ تو یہاں دکانداروں کے قبضوں کی شکل میں ویسے ہی غائب ہو جاتے ہیں، یہی نہیں بلکہ ہم تو سڑکوں پر بھی تسلط جمانا اپنا ارشتی حق سمجھتے ہیں، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت میں اس عمل کو پسند نہیں فرمایا۔ ”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری امت کے اچھے اور برے اعمال مجھ پر پیش کئے گئے تو میں نے ان کے اچھے اعمال میں سے اچھا عمل راستے میں سے تکلیف دینے والی چیز کا دور کر دینا پایا اور میں نے ان کے برے اعمال میں سے مسجد میں تھوکنا اور اس کا دفن نہ کرنا پایا۔ (صحیح مسلم، حدیث 1228)

راستے سے تکلیف دہ چیز کا بہادر بینا کس قدر اہمیت و برکت کا حامل ہے کہ اسے ہمارے پیارے رسول ﷺ نے خود اپنی امت کے لئے پسند فرمایا مگر ہم اس پر بھی توجہ دینے کے لئے تیار نہیں۔ سوچتے کہ اگر ہم آپ ﷺ کی واضح ہدایات کیے باوجود ان کے معنی عمل کریں گے تو ہم روز محشر کس منہ سے اپنے پیارے نبی ﷺ کا سامنا کریں گے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

**وَإِفْرَاغُكَ مِنْ كَلْوَكَ فِي كَلْوَ أَحِبَّكَ لَكَ صَدَقَةٌ**

اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں تمہارا پانی ڈالتا تمہارے لیے صدقہ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنے بھائی کو پانی دینا بھی ایک صدقہ ہے یعنی ایک عامی چیز سے بھی کسی کی مدد کرنا اور اس کے ساتھ خیرخواہی کرنا۔ نیکی ہے صدقہ ہے، انسانیت کی خیرخواہی دین کی بنیاد اور اس کا جو ہر ہے۔ دین دراصل خیرخواہی کا نام ہے۔ جب انسانیت کے حق میں بندہ خیرخواہ ہوگا تو اس کا دین کامل ہو گا۔ غمزدہ اور بے سہارا کی مدد، معاونت، حاجت روائی اور دلجوئی کرنا دین اسلام کا بنیادی دین ہے۔ اسلام کی تعلیمات زندگی کے

تمام شعبوں پر محيط ہیں۔ ان کا تعلق عقائد کے باب سے ہو یا عبادات سے، یا معاملات، اخلاقیات اور معاشرت سے، اسلام کا اپنے ماننے والوں سے یہ تقاضا ہے کہ دوسروں کے جو حقوق تم پر عائد ہوتے ہیں، انھیں حتی الامکان پورا کرنے کی کوشش کرو۔ چاہے وہ حقوق چھوٹے مسائل سے متعلق ہوں یا بڑے بڑے مسائل سے ان کا تعلق ہو۔ ہماراالمیہ یہ ہے کہ ہم بڑے مسائل کے حل کے لیے کوششیں تو ضرور کرتے ہیں مگر چھوٹے چھوٹے معاملات ہماری نظروں سے اوچل رہتے ہیں۔ اللہ کے دین کا علم حاصل کرنا اس پر عمل کرنا یہ ہی پدایت ہے اور اسے آگے پہنچانے کے لئے کوشش رہنا یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ تو آئیے ذمہ داری کو خوب پورا کیجیے اور فلاح پائیے۔

## حسن و جمال کے پیکر

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: ((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا، وَأَحْسَنَهُمْ خَلْقًا، لَيْسَ بِالظَّوِيلِ الْبَائِئِنِ وَلَا بِالْقَصِيرِ)) (متفق عليه)  
سید ناشرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ”رسول اللہ! میں اپنے لوگوں میں چہرہ مہرہ کے اعتبار سے سب سے خوب صورت اور (بقیہ جمانتی ساخت) کے اعتبار سے سب سے حمین و جمیل تھے آپ ﷺ نہ بہت لمبے تھے اور نہ ناتھے (قد) کے تھے۔ (متفق عليه)

حضور سرور کائنات فخر موجودات، غلام پیغمبر اہلی آخر الزمال، جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ رب العزت نے جس طرح کمال سیرت میں سب سے منفرد دیکھنا بیایا اسی طرح حسن صورت میں بھی آپ کو بنی شل بے مثال پیدا فرمایا۔ آپ ظاہری و باطنی حسن و جمال کے اس مرتبہ کمال پر فائز ہیں جہاں سے ہر حمین و آپ سے حسن کی خیرات مل رہی ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ صوری و معنوی ہر لحاظ سے اجمل و اکمل، حسن و فضل، احباب و انساب اور اعلیٰ وارفع ہیں۔ آپ ﷺ کے زندہ مجرموں کی تعداد بے شمار ہے لیکن آپ ﷺ کی زندگی کے ہر پہلو اور ہر گوشہ تمام و کمال محفوظ رہنا خود ایک عظیم معجزہ ہے۔ آپ ﷺ کے اقوال و افعال، وضع و قیع، شنکل و شباہت، رفتار و گفتار، مذاق طبیعت، انداز گنگو، طرز زندگی، طریق معاشرت، اکل و شرب، نشست و برخاست اور سونے جا گئے کی ایک ایک ادھم حفظ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو، خلوت و جلوت، روز و شب سر و عسر اور سفر و حضر میں آپ ﷺ کے روئے رخشاں و تباہ کے خندہ انوار سے اپنے قلب و نظر کو منور کرتے رہے، اولین مرعلے پر وہی مجاز ہیں کہ آپ ﷺ کے وجود اقدس کی تجلیات کو نثر و نعت میں پیش کر کے اپنی ارادت و عقیدت کو عنبر افتابی الفاظ کے طیف و نظیف پیر ہن میں سمو سکین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کے حلیہ مبارکہ مختلف تشییبات اور استعارات کے ذریعہ بیان کرنے کو شیشیں کی ہیں۔ یہ کچھ ہے کہ وہ تشییبات ذات مصطفیٰ کی کماحتہ تمثیل پیش کرنے سے قاصر ہیں مگر ان کو پڑھ کر بے پیش دل کو سکون و قرار ضرور مل جاتا ہے۔

حضرت جابر بن سمرة رضي الله تعالى عنه بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ چاندنی رات میں مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا موقع ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ رنگ کی پوشاک زیب تن کر رکھی تھی۔ میں بھی آپ کے رخ انور پر نظر ڈالتا تھا جس کی طرف دیکھتا۔ کافی دیر یہی سلسلہ جاری رہا اور بار بار تجربیہ کے بعد بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو دھویں کے چاند سے زیادہ دل رہا اور حسین و جیل ہیں۔ (ترمذی 2811)

کیونکہ چاند کا نور سورج کے نور سے مستعار ہے اس لیے اس میں کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ بھی تو بالکل بے نور ہو جاتا ہے جبکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور کا نور دن رات میں کمی وقت جدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ چاند کے برعکس یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی وصف ہے۔

حضرت انس رضي الله تعالى عنه بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وصال کے زمانے میں ہم حضرت ابو بکر صدیق رضي الله تعالى عنہ کی امامت میں نماز ادا کر رہے تھے کہ اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جگہ مبارک کا پردہ اٹھایا اور اپنے غلاموں کی طرف دیکھا تو ہمیں یوں محسوس ہوا گیا کہ آپ کا پھرہ انور قرآن مجید کا ورق ہے (بخاری 680) امام نووی لکھتے ہیں: جس طرح قرآن کریم کلام الہی ہونے کے سبب حسی اور معنوی نور پر مشتمل ہونے کی وجہ سے دیگر کلاموں پر فوقيت رکھتا ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے حسن و جمال، پھرہ انور کی نظافت و پاکیزگی اور تابانی میں یکتا و تہبا ہیں (شرح النووی عسلی مسلم، ج 4 ص 142)

حقیقت یہ ہے کہ ذات خداوندی نے اس عبید کا مامل اور فخرِ نوعِ انسانی کی ذاتِ اقدس کو جملہ اوصاف سیرت سے مala مال کر دینے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو ظاہری حسن کا وہ لازوال جوہر عطا کر دیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن سیرت بھی حسن سیرت ہی کا ایک باب۔ بن گنجائی تھا۔ سرو رکانات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سراپا کا ایک لفظی مرقع صحابہ کرام اور تابعین عظام کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ حسن و جمال عطا کیا تھا کہ جو شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی مرتبہ دور سے دیکھتا تو مبہوت ہو جاتا اور قریب سے دیکھتا تو مسکور ہو جاتا۔

حضرت ام معبد خدا عبید رضي الله عنہما ایک بدوي غاؤن تھیں جنہوں نے صحرائیں خیمدہ کر رکھا تھا، ان کے شوہر حضرت ابو معبد رضي الله عنہما بھی وہیں تھے۔ چند اونٹ اور بکریاں ان کا کل سرمایہ تھا اور بکریوں کا دودھ ان کی

گزر بسر کا اصل ذریعہ تھا۔ سروکائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھرت کے موقع پر ان کے خیمے کے آگے سے گزرے تو چند لمحے دہاں بھی قیام فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات سن کر حضرات ام معبد نہایت متاثر ہوئیں، اس وقت ان کے شوہر خیمے میں موجود نہ تھے، وہ آئے تو خالی بتوں کو دودھ سے بھرے ہوئے پایا اور ام معبد سے پوچھا: یہ دودھ کہاں سے آیا؟ انہوں نے جواب دیا: ایک شخص کی برکت کا نتیجہ ہے جو ابھی ادھر سے گزرا ہے۔ ابو معبد نے تعجب سے سوال کیا: وہ ایسا کون با برکت شخص ہے، ذرا اس کے بارے میں کچھ بیان تو کرو۔ اس پر ام معبد نے زبان کو حرکت دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چند لمحوں میں جو کچھ معلوم ہو رکھا تھا، اس طرح بیان کرنا شروع کیا کہ فصاحت و بلاغت کا دریا بہادیا۔ انہوں نے اپنے مانی اضمیر کا پوری روائی سے اظہار کیا۔ الفاظ نہایت بچے تلے اور ادب و احترام کے ساتھ میں ڈھلنے ہوئے تھے۔ ان عربی الفاظ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ "میں نے ایک معزز شخص کو دیکھا جن کی نفاست نمایاں۔ چہرہ روشن اور خلقت و بناء و میں حسن۔" موناپے کا عیب۔ نہ د بلاپے کا نقش۔ خوش رو۔ خوبصورت۔ آنکھیں کشادہ اور سیاہ۔ پلکیں لمبی۔ آواز میں کھنک۔ گردان صراحی دار۔ داڑھی گھنی۔ بھویں کمان دار اور جٹی ہوتی۔ خاموشی میں وقار کا مجسم۔ گفتگو میں صفائی اور لکھنی۔ سر اپا حسن۔ جمال میں یگانہ روزگار۔ دور سے دیکھو تو حیں تر۔ قریب سے دیکھو تو شیریں تراویح میں تین۔ بات چیت میں مٹھاس۔ نہ زیادہ باتیں کریں اور نہ ضرورت کے وقت خاموش رہیں۔ گفتگو اس انداز کی جیسے پڑوئے ہوئے موتی۔ اگر دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ ہو تو وہ دیکھنے میں ان تینوں شاخوں سے زیادہ تروتاز دکھانی دیں۔ قدر و قیمت میں سب سے بہتر نظر آئیں۔ ان کے کچھ جانشناختی ساتھ تھے جو انہیں گھیرے ہوئے تھے۔ وہ بولتے تو سب خاموش ہو جاتے۔ کوئی حکم دیتے تو اس کی تعمیل کے لیے ٹوٹ پڑتے۔ سب کے خدومن سب کے مطابع۔ ترش روئی سے پاک اور قابل گرفت باتوں سے مبرأ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اب معبد بولے: خدا کی قسم یہ شخص وہی قریشی معلوم ہوتے ہیں؛ جن کا ذکر مکہ میں سن چکا ہوں، میں ارادہ کر چکا ہوں کہ ان کی صحبت کا شرف حاصل کروں۔ اگر کوئی ذریعہ میسر آیا تو ضرور ان کی خدمت میں حاضری دوں گا۔ یہ عرب کی ایک بدھی غاتون کا انداز بیان ہے جس میں بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک اور سر اپا کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اندازہ فرمائیے، کیا حسن کلام ہے، کیا فصاحت و بلاغت ہے، کیا ادبیت ہے، کیا زبان کا نکھار ہے۔

نبی کریم ﷺ کو دیکھنے والے جب آپ ﷺ کے روئے مبارک کی زیارت سے مشرف ہوتے تو بے ساختہ کہہ اٹھتے کہ آپ ﷺ چاند سے کئی گناہ کر صاحبِ جمال اور جاذبِ نظر ہیں۔ آپ ﷺ کا حسن قامت بھی اپنی مثال آپ تھا۔ اس لحاظ سے بھی آپ ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ حسین و حمیل اور شکلیں ورعنا تھے۔

آپ ﷺ کی رنگت، آپ ﷺ کے جسمِ اطہر کی لطافت و نظافت اور اس حسین پیکر کے بدنِ اطہر سے چھوٹنے والی عنبر میں خوبصورت بھی اپنے مشامِ جاں کو معطر ہوتا ہوا محسوس کریں گے۔ آپ ﷺ کے موئے مبارک گھر سے سیاہ، حسین و حمیل، خمدار اور گیسو مبارک کا نول کی لوسرے ہوتے۔ اس باب کے مطالعہ سے آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے سر انور اور ریش مبارک میں کتنے بال سفید تھے۔ جب آپ اپنے بالوں کو چھین لیتے تو آپ ﷺ کا رون تراور تباہا کرتا ہوا جاتا۔ جب آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محفل میں صح صادق یا شام کے وقت تشریف لاتے تو آپ ﷺ کی جسمیں مبارک یوں خوقفات ہوتی جیسے روشن چراغ چمک رہا ہو۔ آپ ﷺ کے پیشمان مقدس سیاہ، پلکیں دراز اور پتلیاں گہری سیاہ تھیں جن میں بھی بھی سرخ رنگ کے ڈورے بھی دھکائی دیتے۔ آئندھیں اس حد تک سر مگنی تھیں کہ جب بھی کوئی عاشق آپ ﷺ کے چہرے کی طرف دیکھتا تو اسے محسوس ہوتا کہ پیشمان مقدس میں سر مرد لگا ہوا ہے۔ آپ ﷺ کی بصارت اس حد تک تیر تھی کہ رات کے گھنے اندر چھیرے میں بھی آپ ﷺ اسی طرح دیکھتے جس طرح دن کے اجائے میں دیکھتے ہیں۔ آنے والی سطور میں آپ حضور نبی ﷺ کی لنشیں آواز، آپ ﷺ کی دیدہ زیب ریش مبارک، آپ ﷺ کے موتیوں سے بھی روشن تر مقدس دانت، آپ ﷺ کے مشک بار خمار، سینہ مبارک، بطن اقدس، باذک گردن، خوبصورت ثانے اور بغیں، آپ ﷺ کی کلامیاں، ہاتھ، ہتھیلیاں، انگلیاں اور قد میں مبارک کی زیارت سے بھی آپ کی چشم تصور، ہر یا ب ہو گی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے جسمِ اطہر کے کس کوششو مبارک اور صفت منور کا بیان کیا جائے؟ کویا آپ ﷺ حسن و جمال کا ایک جہاں بے پایاں تھے۔

دنیا بھر کے درختوں سے قلم بنا دیے جائیں، سمندروں اور دریاؤں کے پائیوں کو روشنائی میں تبدیل کر دیا جائے اور بتی نوع انسان کے ساتھ جنات بھی مل جائیں اور سب مل کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کی عظمتوں اور تابانیوں کو احاطہ تحریر میں لانا پایاں تو فا ہو جائیں، روشنائی ختم ہو جائے اور خود لکھنے والے بھی لکھتے لکھتے رائی ملک عدم ہو جائیں۔ مگر ممکن نہیں کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لامدو حسن اور آپ کی سیرت و صورت

کے کمالِ حسن کا حق ادا ہو سکے۔ کبھی قلم میں اتنی سکت ہے کہ آپ کے حسن و جمال کا احساس کر سکے اور نہ کبھی زبان میں یہ فصاحت و بлагاعت کے آپ کے جمال کو بیان کرنے کا حق ادا کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ظاہر و باطن کو وہ عظمتیں اور وسعتیں عطا کی ہیں کہ کسی بشر کے لیے ان کی حقیقت تک رسائی ممکن نہیں۔ جس طرح آپ کا حسن سراپا مجھ پر ہے اسی طرح آپ کا بیکر ذات بھی ایک مجھ پر ہے۔ حسن کی تمام ادائیں آپ کی ذات میں جمع ہیں اور جہاں کبھی بھی حسن و کمال پایا جاتا ہے وہ ذات پاک صطفیٰ کافی صنان ہے۔

لَا يَمْكُنُ الشَّعَاءُ كَمَا كَانَ حَقَّهُ ..... بعد آزاد بزرگ تو قصہ مختصر

عمر شاہید لائبریری  
Umar Shaheed Library  
[www.umarllibrary.org](http://www.umarllibrary.org)

## نبی کریم ﷺ کی خصوصیات

عَنْ أَيِّ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُضِّلَتْ لِمُتَّعَنِ الْأَئِمَّةُ  
 بِسِّيَّرِ اُعْطِيَتْ جَوَامِعُ الْكَلِمِ وَنُصُرُتْ بِالرُّعْبِ وَأَحْمَلَتْ بِالْغَنَائِمِ وَجَعَلَتْ بِالْأَرْضِ  
 طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأَرْسَلَتْ إِلَى الْحَكْمِ كَافَةً وَخُتَمَ بِالنَّبِيِّونَ

سید ناہضت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ جوہ سے انبیاء کرام (علیہ السلام) پر فضیلت دی گئی ہے مجھے جوامع الکلم عطا فرمائے گئے، رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی، میرے لئے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا اور میرے لئے تمام روتے زمین پاک کرنے والی اور نماز کی جگہ بنا دی گئی اور مجھے تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت ختم کر دی گئی۔ (یعنی میں خاتم الانبیاء ہوں)

بلاشبہ رسول اکرم ﷺ علیہ وسلم محبوب دو بھائی، خاتم النبین، اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے سردار اور سب سے افضل و برتر ہیں، اس پر تمام امت کا اجماع ہے، رسول اکرم ﷺ نے خود اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے اپنی فضیلت واشگافت الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں، اور (اپنا مقدم) بیان کرنے میں مجھے (کوئی فخر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء میں ہمارے نبی ﷺ کو بطور خاص کچھ اعزازی خصوصیات سے نواز اور آپ ﷺ کو ایسی امتیازی خوبیاں عطا کی گئیں، جو آپ ﷺ سے پہلے آنے والے انبیاء کو حاصل نہیں ہوئیں۔ چنانچہ اس امت میں کوئی بھی بندی کریم ﷺ کی بارگفت ذات کے طفیل ان فضائل و مکارم میں سے کچھ حصہ مل گیا۔ ان خصائل میں سے چھوڑ جلیل القدر خصلتیں ہیں، جن کا اس حدیث میں ذکر آیا ہے۔ اول

حضور اکرم ﷺ علیہ وسلم نے فرمایا:

**أُعْطِيَتْ جَوَامِعُ الْكَلِمِ.**

مجھے اللہ نے جوامع الکلم دیے ہیں۔

پہلی چیز: جوامع الکلم عطا کئے "کلام" مجمع ہے کلمہ کی، اب جوامع الکلم کا معنی یہ ہے کہ خدا نے مجھے وہ کلمات عطا فرمائے ہیں جوامع میں کلام اس لفظ کو کہتے ہیں کہ لفظ ایک ہوتا ہے اور اس کے معنی کسی سویا کسی ہزار ہوتے ہیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ "الشفاء" میں فرماتے ہیں: زبان کی فضاحت اور قول کی بلاحثت کے اعتبار سے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ سب سے فائق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام انتہائی شستہ و رواں، موقع و محل پر کامل منطبق، بہایت مختصر و با مقصد، بہت کمھر اہوا اور اجلاء، معانی کی صحت پر محیط اور تکلف سے یکسر غالی تھا، اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انہیں جامعیت بھرے کلمات سے نواز اگیا تھا، ہمارے نبی کو عنینے مسائل چاہیے تھے اگر اللہ اتنے کلمات عطا فرماتے تو بتائیں ان کلمات کوون ساپریں چھاپ لیتا، کون سا قلم لکھ لیتا کون سا سینہ محفوظ رکھ لیتا اور کون سابندہ پڑھ لیتا؟! حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لیے نبی یہیں، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو قیامت تک کروڑوں مسائل پیش آنے میں، اگر اللہ کے نبی کو کروڑوں مسائل کے لیے کروڑوں کلمات عطا کر دیے جاتے تو بتائیں یہ کروڑ کلمات کوون ساپریں چھاپتا، کون لکھتا اور کون ان کو پڑھتا؟ اللہ نے کرم کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کروڑوں مسائل عطا فرمائے ان کروڑوں مسائل کے لیے اللہ نے نبی کو کلمات بہت کم عطا فرمائے، الفاظ تھوڑے یہ مسائل زیادہ یہیں یہ ہمارے نبی ﷺ کی خصوصیت ہے۔ دوم حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَنُصِرْتُ بِالْرُّعْبِ

رعب دے کر میری مدد فرمائی ہے۔

دوسری چیز: اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نبی ﷺ کی نصرت کی اور آپ ﷺ کے دشمنوں کے مقابلے میں رعب کے ذریعے آپ کی مدد کی، جو آپ ﷺ کے دشمنوں پر طاری ہو کر انہیں کمزور اور ان کی صفوں کو منتشر کر دیتا، اگرچہ آپ ﷺ سے ایک ماہ کی مسافت پر ہوتے۔ ایسا اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کی مدد و نصرت اور اللہ کے دین کے دشمنوں کو رسوائی اور شکست سے دوچار کرنے کے لیے ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑی مدد تھی۔ سوم: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَأَحِلَّتِ الْغَنَائِمَ

اللہ نے میرے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا ہے۔

تیسرا چیز: مال غنیمت کے حلال ہونے کا معنی یہ ہے کہ مسلمان میدان جنگ میں کفار کے ساتھ جہاد کے لیے نکلے اور کافر کا جو مال ان کو جنگ کے بعد ملا یہ "مال غنیمت" ہے۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کے لیے یہ حلال نہیں تھا، پہلے انبیاء علیہم السلام کے لیے مسئلہ یہ تھا کہ اگر مال غنیمت ملتا تو اس کو میدان میں جمع کر لیتے آسمان

سے آگ آتی اس کو جلا دیتی، یہ اس بات کی علامت تھی کہ جہاد قبول ہو گیا ہے۔ اگر وہ آسمان سے آنے والی آگ اس مال کو نہ جلاتی تو یہ اس بات کی علامت ہوتی کہ یہ جہاد قبول نہیں ہوا۔ مال غنیمت، جو کفار کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ سے حاصل ہوتا ہے، وہ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لیے حلال ہے۔ وہ اس طرح تقسیم کریں گے جس طرح اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ چہار مرسل روحی ﷺ نے فرمایا:

وَجْعَلْتُ لِي الْأَرْضَ طَهُورًا وَمَسْجِدًا

پوری زمین کو میرے لیے ”طہور“ یعنی پاک کرنے والا بنادیا ہے۔

چوتھی چیز اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لیے کشادگی فرمادی کہ ساری زمین کو اس امت کے لیے مسجد قرار دے دیا۔ چنانچہ ان کے لیے جائز ہے کہ جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے، وہی نماز ادا کر لیں۔ نماز کی ادائیگی کے لیے کچھ مخصوص جگہیں ضروری نہیں ہیں، جیسا کہ ان سے پہلے کی امتوں کے لیے تھا کہ وہ صرف اپنے کلیساوں یا گرجا گھروں میں ہی عبادت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان کے ساتھ اس امت سے دشواری اور نیگی کو دور کر دیا۔ اسی طرح اس امت سے پہلے کی امتوں کے لوگوں کے لیے صرف پانی ہی حصول طہارت کا ذریعہ تھا۔ خدا نے پوری زمین کو میرے لیے طہور یعنی پاک کرنے کا ذریعہ بنادیا۔ پہلے نبیوں کے لیے تیم کی گنجائش نہیں تھی۔ اس امت کے لیے تیم کی گنجائش موجود ہے۔ پہلے نبیوں کی امت نے وضو کرنا ہوتا تو پانی سے، پہلے نبیوں کی امت نے غسل کرنا ہوتا تو پانی سے، فرمایا: اس امت نے وضو کرنا ہے اگر پانی نہ ملے تو تیم کرے، اس امت نے غسل کرنا ہے اگر پانی نہ ملے تو تیم کر لے۔ آن کو تیم نہیں دیا، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے اور پوری زمین کو ان کے لیے ”طہور“ بنادیا۔ پچھلی امتوں کے لیے جو کام پانی سے لیا اس امت کے لیے وہی کام مٹی سے لیا ہے۔ جب کہ اس امت میں سے جسے پانی دستیاب نہ ہو، اس کے لیے مٹی کو حصول طہارت کا ذریعہ قرار دے دیا گیا۔ اگر ضرر پہنچنے کے اندر یہ کی وجہ سے کوئی پانی کے استعمال سے قاصر ہو، تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

پنجم حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَأَرْسَلْتُ إِلَيْكُمْ كَافَةً

مجھے پوری کائنات کا نی بنادیا ہے۔

پانچوں چیز: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنات کے بھی نبی میں، یہ ملائکہ کے بھی نبی میں، ہور غلام کے بھی نبی میں، امتوں کے بھی نبی میں، یہ انبیاء کے بھی نبی میں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دور کے بھی نبی میں جب لوگ پیدل چلتے تھے، اس دور کے بھی نبی میں جب لوگ چرخ پر سفر کرتے تھے، اس دور کے بھی نبی میں جب لوگون نے سائکل پر بیٹھنا شروع کیا، اس دور کے بھی نبی میں جب لوگ ریل کار میں بیٹھئے، اس دور کے بھی نبی میں جب لوگ جہاز پر بیٹھتے ہیں۔ سابقہ انبیاء میں سے ہر نبی کی دعوت اس کی اپنی قوم کے ساتھ خاص تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس شریعت کو ہر وقت اور ہر جگہ کے لیے موزوں بنایا ہے۔ اس موزوںیت اور کمال کی وجہ سے یہی آخری شریعت ٹھہری؛ کیوں کہ اس میں کسی زیادتی کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی نقص پایا جاتا ہے۔ اپنے اندر پائے جانے والے بقا اور ہمیشہ کے عناصر کی وجہ سے یہ ایک جامع شریعت ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ! نے فرمایا

**وَخُتِّمَ بِنَبَوْتِ الْقَدِيبِيُّونَ۔**

اور مجھ پر نبوت ختم کر دی گئی۔ (یعنی میں غاتم الانتباہ، ہوں)

چھٹی چیز: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ آکہ و سلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا نیابی نہیں آئے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے، وہ کافر، مرتد، زندین اور واجب القتل ہے۔ قرآن مجید کی ایک سو سے زائد آیات مبارکہ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب آداؤ و سود احادیث مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ اس بات پر پہنچنا ایمان "عقیدہ ختم نبوت" کہلاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار تاکید کے ساتھ اپنے غاتم لتبیین ہونے کا اعلان فرمایا ہے اور مختلف مثالیات کے ذریعے اس اصطلاح کے معنی کیوضاحت فرمائی ہے جس کے بعد اس لفظ کے معنی میں کسی قسم کی تاویل و تعبیر کی گنجائش نہیں رہتی۔ اللہ رب العزت مجھے اور آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا عشق نصیب فرمائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا غلام بنائے۔ آمین

وآخر دعوا انما ان الحمد لله رب العالمين

## عشق مصطفیٰ ﷺ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَوَالَّذِي  
نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِيدَةِ وَوَلِيدَةِ.  
سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی کہ پیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے باقی  
میں میری جان ہے تم میں سے کوئی بھی ایماندار نہ ہو گا جب تک میں اس کے والد اور اولاد سے بھی زیادہ اس کا  
محبوب نہ بن جاؤں۔ (صحیح البخاری - ایمان کا بیان - حدیث نمبر 14)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ ایک مومن کے دل میں آپ صلی  
اللہ علیہ وسلم کی محبت کا معیار اور پیمانہ کیا ہونا چاہیے؟ اس امر کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے  
ارشاد عالیہ کی روشنی میں واضح فرمادیا ہے۔

حدیث کا محاصل یہ ہے کہ تکمیل ایمان کا مدارج ب رسول پر ہے جس آدمی میں ذات رسلت سے اس درجہ  
کی محبت نہ ہو کہ اس کے مقابلہ پر دنیا کے بڑے سے بڑے رشتے، بڑے سے بڑے تعلق اور بڑی سے بڑی چیزیں کی  
محبت و چاہت بھی بے معنی ہو، وہ کامل مسلمان نہیں ہو سکتا، اگرچہ زبان اور قول سے وہ اپنے ایمان و اسلام کا کتنا  
بی بڑا دعویٰ کرے۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے جب یہ حدیث سنی  
تو عرض کیا "یا رسول اللہ! دنیا میں صرف اپنی جان کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں"  
یعنی دنیا کے اور تمام رشتے اور چیزوں سے زیادہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت رکھتا ہوں مگر اپنی جان سے  
زیادہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میسری جان ہے تم اب بھی کامل  
مومن نہیں ہوئے اس لئے کہ یہ مرتبہ اسی وقت محاصل ہو سکتا ہے جب کہ میں تمہیں اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا ہو  
جاوں"۔ ان الفاظ نبوت نے جیسے آن واحد میں حضرت عمر فاروق کے دل و دماغ کی دنیا تبدل کر دی ہو، وہ

بے اختیار بولے۔ ”یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میری جان قربان آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کو خوشخبری سنائی کہ اے عمر! اب تھہارا ایمان کا مل ہوا اور تم پکے مومن ہو گئے۔“ اور صرف سیدنا حضرت عمر فاروق ہی نہیں، تمام صحابہ اسی کیفیت سے معمور اور حب رسول سے سرشار تھے، ان کی زندگیوں کا مقصد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارہ ابر و پر اپنی جانوں کو پچھاوار کر دینا تھا، بلاشبہ دنیا کا کوئی مذہب اپنے راہنماء اور پیروؤں کے باہمی تعلق اور محبت کی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس بلاشک صحابہ کے لئے شمع کی سی تھی جس پر وہ پروانہ وار پچھاوار ہونا ہی اپنی سعادت و خوش بختی تصور کیا کرتے تھے۔

صحابہ کرام، خلفاء راشدین اور پھر ان میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مرتبہ ایمان میں اتنے بند تھے کہ ان کے احساسات میں کوئی ملاوٹ نہیں تھی، ان کے ظاہر و باطن میں کوئی تضاد نہیں تھا، جو اخفاء میں تھا، وہی ان کے اظہار میں تھا۔ یہ ان کے ایمان کا کمال تھا کہ جو چیز انہوں نے محسوس کی، اس کا بر ملا اظہار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کر دیا۔

جب محبت کا یہ عالم ہو جائے کہ وہ ہر چیز سے بڑھ جائے تو یہ محبت ایثار کا تقاضا کرتی ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ بندہ صرف محبوب کو دیکھنا، ملننا اور سنتا چاہتا ہے۔ محبوب جو کہے اس کو مانتا ہے اور محبوب کے لئے اپنا آرام قربان کرتا ہے۔ وہ اپنا ذوق، اپنی چاہت اور اپنی ترجیح کو ختم کر دیتا ہے اور محبوب کے لئے مر مٹتا ہے۔ جان دینی پڑے تو جان بھی دیتا ہے اور کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس سے محبوب نے منع فرمایا ہے۔

وہ محبوب کو چاہتا ہے اور محبوب کے طرز زندگی کو اپناتا ہے۔۔۔ محبوب کی طرح کا لباس پہنتا ہے اور محبوب کی طرح کی نشت و برخاست رکھتا ہے۔۔۔ محبوب جن سے محبت کرتا ہے، وہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔۔۔ وہ حسن و حسین سے محبت کرتا ہے۔۔۔ وہ اہل بیت، صحابہ اور صاحبین رحمہم اللہ سے محبت کرتا ہے۔۔۔ حتیٰ کہ وہ غریب اور محتاج سے بھی محبت کرتا ہے۔۔۔ انسانیت اور اللہ تعالیٰ کی پوری مخلوق سے محبت کرتا ہے۔۔۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام سے محبت کرتے ہیں۔ محبوب کی محبت جد ہر جد ہر جاتی ہے، محب کی محبت اس کے پیچھے پیچھے جاتی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ محبوب ایک چیز کو چاہے اور محب اس کے برعکس کسی اور چیز کو چاہے۔ دونوں محبتوں کے رخ اگر مخالف سمت ہوں اور بندہ ہے کہ میں تو بڑا عاشق ہوں تو محبت و عشق کا یہ دعویٰ

محبوب کی بارگاہ میں قبول نہیں۔

افسوں! ہمارا عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ہے کہ آقا علیہ السلام کی چاہت کسی اور سمت ہے اور ہماری پاہنیں کسی اور سمت میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان کسی اور سمت ہے اور ہمارا عمل کسی اور سمت ہے۔ جس چیز سے ناراض اور خفا ہوتے ہیں، ہم وہی کام کرتے ہیں۔ جس سے وہ خوش ہوتے ہیں، ہم اس کام کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ جس کام کا وہ حکم دیتے ہیں، ہم اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اور جن سے وہ منع کرتے ہیں، ہم اسی کام کو انجام دیتے ہیں جاتے ہیں۔ الحضرت یہ کہ دعویٰ محبت کا کرتے ہیں مگر اعمالِ محبوب کی تعلیمات اور رضاکے عکس کرتے ہیں۔

اگر ہم اپنی زندگیوں کا بازارہ لیں تو افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے دلوں میں سچی محبت رسول نہیں ہے اسی وجہ سے ہم ایمان کی لذت و حلاوت سے غرور میں اور جب ایمان کی لذت میسر نہیں آتی تو ہماری عبادت، سجدوں، تلاوت، نماز، روزوں، طاعات، عبادات، حنات اور خیرات میں بھی کوئی حلاوت و لذت نہیں رہتی۔ ہمیں یکسوئی بھی نصیب نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی کیفیت مقدار بنتی ہے۔ ہم روزمرہ زندگی میں اس بات کا روناروئے نظر آتے ہیں کہ عبادات و طاعات میں یکسوئی نہیں ہوتی، لیکن کیا ہم نے بھی اس محرومی کے سبب پر گور کیا کہ ایسا کیوں ہے۔ اس کا بنیادی سبب ہی یہ ہے کہ ہماری طبیعت میں دنیا پرستی ہمیشہ غالب رہتی ہے۔ اگر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہر محبت پر غالب نہ ہو۔ نیکی کی محبت، بدی کی محبت پر غالب نہ ہو۔ اور ہر ایک کے ساتھ رشتہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نہ ہو۔ تو پھر حلاوت ایمان نصیب نہیں ہوتی۔

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کے بغیر مومن ہونے کا دعویٰ منافقت کی نہیں دلیل ہے اور حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ بیان ہے جس کے کوئی مسلمان کے ایمان کو مابجا سکتا ہے۔ دعوا سے محبت ہوا اور اطاعت مفقوہ ہو تو دعویٰ کی صحافی پر حرف آتا ہے۔ حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقاضوں میں سے ایک تقاضاً تو بھی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب و احترام کرنا، آپ سے محبت رکھنا ہے۔ پیغمبر اعظم و آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اعجاز بھی منفرد ہے کہ آپ کے جان ثاروں کی زندگیاں جہاں محبت رسول کی شاہکار ہیں وہاں ہر ایک کی زندگی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آئینہ دار ہے۔ ان نفوس قدسے نے دونوں جہتوں میں راہنمائی کا عظیم الشان معیار قائم فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک سے ایسا حقیقی اور الہامانہ تعلق اور آپ ﷺ کی ایسی  
کامل مجبت عطا فرمائے جو ہمارے اندر آپ ﷺ کی اتباع و مطاعت کا داعیہ پیدا کر دے، جو مجبت کا جوہر اور عشق  
کا مقتضا ہے، آمین بجاه النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

## فضائل و برکات درود و سلام

**"وَعَنْ أَنَّسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلَّى عَلَى صَلَوةً وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَواتٍ وَحُظِّتْ عَنْهُ عَشْرُ حَطِينَاتٍ وَرَفِعْتَ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ". (رواہ النسائی)**

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا جو آدمی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس (مرتبہ) رحمتیں نازل فرمائے گا، اس کے دس گھنٹوں کو معاف کرے گا اور (قرب الی اللہ کے سلسلے میں) اس کے دس درجے بلند کرے گا۔ (سنن نسائی)

حضرت عبد اللہ ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں نماز پڑھ رہا تھا رحمت عالم ﷺ (بھی وہیں) تشریف فرماتھے اور آپ ﷺ کے پاس حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) بھی حاضر تھے، چنانچہ (نماز کے بعد) جب میں بیٹھا تو اللہ جل شانہ کی تعریف پیان کرنا شروع کی اور پھر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا، اس کے بعد میں اپنے (دینی و دنیاوی مقاصد کے) لیے مانگنے لاگا (یہ دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مانگو! دیئے جاؤ گے، مانگو! دیئے جاؤ گے (یعنی دعاماً نگو ضرور بقول ہو گی)۔ (جامع ترمذی) حضرت عبد اللہ ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھتے ہوں گے۔ (مشکوٰۃ المصالح ص: 87)

ایک اور مقام پر ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں : ”میں نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں آپ پر کثرت سے درود شریف پڑھتا ہوں۔ میں کس قدر درود شریف پڑھا کرو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جتنا چاہو اگر زیادہ کرو تو بہتر ہے میں نے عرض کیا ”نصف“ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جتنا چاہو البتہ زیادہ کرو تو بہتر ہے میں نے عرض کیا وہی بھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جتنا زیادہ کرو تو بہتر ہے میں نے عرض کیا۔ میں سارے کاسارا وظیفہ آپ کے لئے کیوں نہ کرو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب تیرے غموں کی کفایت ہو گی اور گناہ بخشن دیئے جائیں

گے۔” (ترمذی،)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجننا ایک مقبول ترین عمل ہے۔ یہ سنت الہیہ ہے اس نسبت سے یہ جہاں شانِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے مثل ہونے کی دلیل ہے وہاں اس عمل خاص کی فضیلت بھی حیں پیر ائے میں اب اگر ہوتی ہے کہ یہ وہ مقدس عمل ہے جو ہمیشہ کے لئے لازوال۔ لفافی اور تغیر کے اثرات سے محفوظ ہے کیونکہ نہ خدا کی ذات کیلئے فنا ہے نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام کی انتہا۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف خود اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجتا ہے بلکہ اس نے فرشتوں اور اہل ایمان کو بھی پابند فرمادیا ہے کہ سب میرے محبوب پر درود وسلام بھیجیں۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلِّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا

تَسْلِيمًا

”بیشک اللہ اور اس کے (سب) فرشتے نبی (مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔“

اللہ رب العزت نے جو مقام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے فرمایا ہے اتنا مقام کسی اور کوئی نہیں بخدا، اس مقام تک آج تک نہ کوئی نبی بیٹھنے سکا ہے نہ کوئی فرشتہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا اندازہ کل قیامت کے دن ہو گا، جب تمام انبیاء کرام علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے طلب گار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور خصوصیات سے نواز اور ایں پر ایک خاصیت جو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی خاص ہے وہ درود شریف ہے، جس میں نہ کوئی نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہے اور نہ کوئی فرشتہ، جو صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی خاص ہے، یوں تو اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفتہ ذکر پر بحث کی جائے تو اس کے لیے دفتر چاہیے۔ لیکن پھر بھی بعد میں لکھنے والے کو لکھنا پڑتا ہے بعد از خدا بزرگ تو اُنہوں نے اپنے مختصر:

علامہ ابن قیمؒ نے درود شریف پڑھنے کے ۳۶ فوائد کرنے میں، ان میں سے چند اہم فوائد یہ ہیں:

۱ درود شریف پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل ہوتا ہے۔ ۲ ایک مرتبہ درود شریف پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ۳ دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ ۴ دس گناہ معاف کردی جاتے ہیں۔ ۵ دس

درجات بلند کر دیے جاتے ہیں۔ 6 دعا سے پہلے درود شریف پڑھنے سے دعا کی قبولیت کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ 7 اذان کے بعد کی مسنون دعا سے پہلے درود شریف پڑھا جائے تو قیامت کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی۔ 8 درود شریف کثرت سے پڑھنے سے پریشانیاں ٹل جاتی ہیں۔ 9 قیامت کے روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہو گا۔ 10 درود شریف پڑھنے سے مجلس برکت ہو جاتی ہے۔ 11 جب انسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اس کی تعریف کرتا ہے۔ 12 درود شریف پڑھنے والے شخص کی عمر اس کے عمل اور رزق میں برکت آتی ہے۔ 13 درود شریف کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی مجتہ کا اظہار ہوتا ہے۔ 14 درود شریف پڑھنے سے دل کو تروتازگی اور زندگی ملتی ہے۔ درود پاک پڑھنا اہل ایمان پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حتح ہے، چنانچہ بالغ ہونے کے بعد پوری زندگی میں کم از کم ایک بار درود پڑھنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ (قرطبی، ج: ۲۳۲، یہ کسی مجلس میں جب ایک سے زیادہ بار حضور ﷺ کا ذکر ہو تو کم از کم ایک بار درود پڑھنا واجب ہے اور ہر بار درود پڑھنا افضل اور بہتر ہے۔ (رد المحتار، ج: ۱، ج: ۵۱۶)

درود وسلام ایسا محبوب و مقبول عمل ہے جس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، شفا حاصل ہوتی ہے اور دل و جان کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے پڑھنے والے کے لئے سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفس نفس سلام کے جواب سے مشرف فرماتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ صلوٰۃ وسلام کسی صورت میں اور کسی مرحلہ پر بھی قابلِ رد نہیں بلکہ یہ ایسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور مقبول ہوتا ہے اگر نیک پڑھیں تو درجے بلند ہوتے ہیں اور اگر فاقع و فاجر پڑھتے تو نہ صرف یہ کہ اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں بلکہ اس کا پڑھا ہوا درود وسلام بھی قبول ہوتا ہے۔ آخر میں اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حقوق ادا کرنے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی مجتہ کرنے کی توفیق دے۔ اور روز قیامت ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور آپ کے ہاتھوں خوش کوثر کا پانی نصیب کرے۔

آمین ثم آمین

## مہنگائی کے سیلاں میں سادگی اختیار کریں

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رضي الله عنهمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ، وَرُزِقَ كَفَافًا، وَقَنَعَهُ اللَّهُ بِمَا آتَاهُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالْتِرْمِذِيُّ.

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ کامیاب ہو گیا جو اسلام لایا، اسے حسب ضرورت رزق عطا ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اسے جو کچھ دیا اس پر قناعت عطا فرمائی۔ ”اس حدیث کو امام مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

واقعی جس بندہ کو ایمان کی دولت نصیب ہوا اور ساتھ ہی اس دنیا میں گزارے کا سامان بھی اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل کو قناعت اور اطمینان کی دولت نصیب فرمادے تو اس کی زندگی بڑی مبارک اور بڑی خوشگوار ہے۔ یہ قناعت اور دل کا اطمینان وہ دولت ہے جس سے ایک فقیر کی زندگی بادشاہ کی زندگی سے زیادہ لذیذ اور پرمسرت بن جاتی ہے۔ کسی شخص کے پاس اگر دولت کے ذمیں ہوں لیکن اس میں اور زیادہ کے لیے طمع اور حرص ہو اور وہ اس میں اشناف ہی کی فکر اور روشن میں لگا رہے تو اسے کبھی قبی سکون نصیب نہیں ہوتا وہ دل کافیر ہی رہتا ہے لیکن اگر قناعت کی دولت حاصل ہو تو فقر و افلان کے باوجود وہ دل کاغذی رہے گا۔ دنیا بھر میں ہر پل انسان کی زندگی کو سہل بنانے کے لیے نتی ایجادات ہو رہی ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہماری زندگی آسان ہوتی چلی جاتی اور ہمارے اندر یشوں اور تکھرات میں کمی ہوتی جاتی، ہو اس کے عکس ہے۔ دراصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ ان ایجادات سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اس کا سراسر بے جا استعمال کر رہے ہیں اور یہی اصل میں مسائل کا سبب بن گیا ہے۔ دوسرا مسئلہ ان ایجادات سے احسان محرومی میں بھی اشناف ہو ائے اور اس کا مظاہرہ ہم اپنے آس پاس دیکھ رہے ہیں۔ اگر ہم قناعت اور سادہ زندگی بصر کرنا شروع کر دیں تو ہماری زندگی سہل ہو سکتی ہے۔ نفس کو بے جا خواہشات سے روکنے اور کم سامان دنیا سے گزر لے کرنے کو سادگی کہتے ہیں۔ انسان کی خواہشات کا سلسلہ تو لامتناہی ہے۔ سادگی سے مراد یہ ہے کہ ہم خود کو غیر ضروری خواہشات سے روکیں اور

اپنی احتیاجات کو بھی ایک محدود دائرے میں رکھیں۔ جو کچھ میسر ہے، بس اسی پر اکتفا کریں اور یہ بھی تمنانہ کریں کہ کاش یہ اور وہ بھی میرے پاس ہوتا۔ سیدنا حضرت ابو عمامہ ایاس بن شعبانؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمؐ نے ارشاد فرمایا، مفہوم: ”کیا تم سنتے نہیں کہ سادگی اور خستہ حالی بھی ایمان کا ایک حصہ ہے؟“

جب قناعت نصیب نہ ہو تو انسان ہر وقت اس غم میں گھلتا اور کڑھتا رہتا ہے کہ نہیں ملا، وہ نہیں ملا، فلاں کے پاس یہ ہے اور میرے پاس یہ نہیں، بس یہی فکر بے شمار دولت کے ہوتے ہوئے بھی انسان کو بے سکون بنا دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مال و دولت سے بھی بڑی دولت قناعت نصیب فرمائے۔ مال و دولت کی حرص عام انسانوں کی نظرت میں داخل ہوتی ہے، اگر دولت سے انکا گھر تو کیا جنگل کے جنگل اور صحراء بھی بھرے ہوئے ہوں تب بھی اس انسان کا دل قناعت نہیں کرتا۔ یہ انسان اس میں اضافہ اور زیادتی پاہتا ہے زندگی کے آخری سانس تک اس کی ہوس کا یہی حال رہتا ہے۔

سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقش فرماتے ہیں۔ ”یعنی اگر آدمی کے پاس مال سے بھری ہوئی دو وادیاں ہوں تو یہ تیسری بھی چاہے گا اور آدمی کا پیٹ کوئی چیز بھی نہیں بھر سکتی مگر قبر کی مٹی۔“

دولت کی ہوس جہاں انسان کے لیے دنیا کی بر بادی کا نشان ہے وہاں آخرت کی ناکامی ہے لیکن یہی دنیا اور اس کی دولت اللہ کے احکام کے مطابق استعمال کی جائے تو وہ عبادت بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکامات دولت کے بارے میں عطا فرمائے ہیں ان کا تعلق اعتدال اور میانہ روی سے ہے۔ ارشادِ نبوی ہے، فرمایا معاذَ مَنْ اقْتَصَدَ۔ جو میانہ روی اختیار کرتا ہے وہ محتاج نہیں ہوتا۔ لیکن اگر انسان دولت کو حقوق پورا کرنے میں بھی صرف نہیں کرتا تو اس سے بخشن پیدا ہوتا ہے اور ایسے شخص کو بخیل کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”بخشن اور ایمان کسی مومن بندے کے دل میں بھی جمع نہیں ہو سکتے۔“ اور اگر انسان بے جا خرچ کرنا شروع کر دے تو اسے اسراف اور فضول خرچی کہتے ہیں جس سے اللہ رب العزت نے منع فرمایا۔ کلو اواشر بولا ترفا۔ ”کھاؤ پیو لیکن فضول خرچی نہ کرو۔“ شدید ضرورت کے بغیر ادھار کا لین دین اچھا نہیں لیکن بسا اوقات اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اس لیے جہاں تک ہو سکے ہر شخص قناعت اور کفایت شعاری سے زندگی گزارے

انسان کے پاس جس قدر آمدنی کے وسائل ہوں ان کے ذریعہ حلال مال کما کراہی وعیاں پر خرچ کرتا رہے لیکن اس خرچ میں بھی اعتدال اور میانہ روی شامل رہے، اس سے انسان کو ایک طرف تو سکون ملے گا اور دوسری طرف یوں بچوں کے اندر قیامت پسندی پیدا ہو گی جو آئندہ چل کر اولاد کی تربیت کا حصہ بن جاتی ہے کہ وہ اولاد خود بھی فضول خرچی سے بچتی ہے لہذا انسان اپنے اہل و عیاں کے لیے رہائش میں خرچ کرے، ان کے کھانے، پینے، لباس کے لیے خرچ کرے اور پھر اللہ تو فین دے تو ان کے لیے آسائش بھی مہیا کرے یعنی گھر یا سہولیات کا انتظام کرے جس سے زندگی آرام و راحت سے گزرے اور اسلام نے جائز حد تک زیب وزینت اختیار کرنے کی بھی اجازت دی ہے اس لیے اہل و عیاں پر شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے آرائش کی مدد میں بھی خرچ کر سکتا ہے۔ الغرض انسان اپنے اہل و عیاں کی رہائش، آسائش اور آرائش پر تو خرچ کر سکتا ہے لیکن ایک چیز سے اسلام نے قطعی طور پر روا کا ہے اور وہ ہے نمائش، دھکاواد و سروں کے اہل و عیاں پر اپنے اہل و عیاں کی امارت اور اپنی دولت ظاہر کرنا۔

ابوداؤد کی حدیث میں آیا ہے، مفہوم: ”سادہ طرز زندگی ایمان کی علامت ہے۔“ سادگی سے زندگی بس کرنے میں نبی اکرم ﷺ ہمارے لیے بہترین اور اعلیٰ ترین نمونہ میں آپؐ نے کھانے پینے، لباس اور رہائش سب میں سادگی کو اختیار کیا تاکہ امت مسلمہ آپؐ کی پیروی اور اقتدا کرے اور آپؐ کی سنت اور طریقہ پر چلے۔ اگر طرز حیات سادہ نہ ہو اور بودو باش میں سادگی نہ ہو تو اس عارشی دنیا میں انسان کا بینایا نظریہ ہی بد جاتا ہے۔ یہ دنیا تو عارشی قیام گاہ ہے اور اگر اس زندگی میں ہم جہاد اکبر یعنی اپنے نفس کے ساتھ جہاد نہ کرسیں اور نفس کو قوی کرتے رہیں گے تو یہ ابتدی یعنی حیات بعد الموت کی ابتدی راحتوں اور جنت الفردوس کو کیسے حاصل کر پائیں گے۔ تھوڑے میں خوش رہنا یکھیں: خوب سے خوب تر کی تلاش نے آج کے انسان کا سکون چھیلن لیا ہے اکٹھ گھر اُنے اسی وجہ سے لوٹ پھوٹ جاتے ہیں کہ وہ قیامت پسند نہیں ہوتے۔ قدرت نے آپؐ کو جس قدر فروزان ہے اسی سے خوش اور مطمئن رہنے کی کوشش کریں اور اپنی استقامت کے مطالب ہی اخراجات کریں۔ قیامت پسندی جو سکون اور آسودگی عطا کرتی ہے وہ اسراف اور بغیر ضرورت کی چیزوں کی خریداری سے بھی نہیں ملی۔ میانہ روی اختیار کریں: میانہ روی زندگی کے ہر معاملے میں کامیابی کی بخشی ہے اور کسی بھی چیز کی زیادتی ہمیشہ نقصان کا باعث بنتی ہے۔ لہذا کوئی بھی معاملہ ہو میانہ روی ضرور سامنے رکھیں۔ اللہ تھیں اپنے محبوب کریم ﷺ کے طفیل سادگی، میانہ روی اور قیامت کی دولت سے سرفراز فرمائے اور تمام عالم کی مشکلات آسان فرمائے۔ آمین

## طلباتے دین کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبْعُدُ وَإِنَّ رَجَالًا يَأْتُونَكُمْ  
 مِّنْ أَقْطَارِ الْأَرْضِينَ يَتَفَقَّهُونَ فِي الدِّينِ فَإِذَا أَتَوْكُمْ فَإِذَا أَتَوْكُمْ فَإِذَا أَتَوْكُمْ فَإِذَا أَتَوْكُمْ  
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَرَ مِنْهُ خَيْرًا، (ترمذی) (2650)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ تمہارے پیچھے میں، کچھ لوگ تمہارے پاس زمین کے گوشہ گوشہ سے علم دین حاصل کرنے کے لیے آئیں گے تو جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کے ساتھ بھلائی کرنا۔

آج کل ہر جگہ فنا فسی اور کاششی ہے، کبھی کوئی سروکار نہیں، ہر ایک اپنے مفادات اور مقاصد کے پیچھے دوڑ رہا ہے، دین و مذہب اور اسلامی اخوت کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے، مسلمان کے دل سے مسلمان کی خیر خواہی کا تصور مٹ گیا ہے، حالانکہ آنحضرت ﷺ نے تین بار دھرا کر فرمایا: ”دین اخلاص اور خیر خواہی کا نام ہے۔“ پھر ترمذی شریف میں ہے: ”سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار دھرا کر فرمایا کہ: ”دین اخلاص و خیر خواہی کا نام ہے۔“

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ دین اسلام فقط عبادات یا ذکر و اذکار یا وظائف کا نام نہیں، بلکہ بندوں کے حقوق، ان کے ساتھ خیر خواہی، ان کے لیے خیر اور بھلائی کا چاہتا یہ بھی دین اسلام میں شامل اور اس کا حصہ ہے۔ لوگوں کی تندیلیں کرنا یا ان کے نقصان کے درپے ہونا یا ان کے ساتھ بد خواہی کا معاملہ کھنایا یا میان کی شان کے خلاف ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب اپنے پیغمبر ﷺ کے اعلیٰ ائمہ و مسلم سے کسی نصیحت، کسی حکم کو سنتے تو ساری عمر اس حکم کو مدنظر رکھتے اور ہر موڑ پر اس کا لحاظ کرتے ہوئے زندگی گزارتے تھے۔ ساری عمر اپنے زمان سے اس نصیحت کو چھٹائے رکھتے اور ذرہ برابر اس سے اعراض نہ فرماتے۔ خیر خواہی کی جواناں اور پر بیان ہوئی میں ان کو ان کے اختیار کرنے کی ترغیب دی جائے اور طاعات و عبادات میں ان کی بہت افرادی کی جائے۔ یہ وہ شماں و خصائیں ہیں جن کو اپنانے سے معاشرہ رشک ملائکہ بن سکتا ہے، مگر ہماری اس طرف توجہ نہیں ہے۔

علم، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وہ عظیم نعمت ہے جس کی فضیلت اور اہمیت ہر دوسریں تسلیم کی گئی ہے۔ یہ ان

انعامات الہیہ میں سے ہے جن کی بنا پر انسان دیگر خلوقات سے افضل ہے۔ علم ہی ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرمایا کہ اس کے ذریعے فرشتوں پر ان کی برتری ثابت فرمائی۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری پیغمبر تھے، اس کے بعد ان کے علم کے وارث یہی حضرات ہیں۔ اور انہی کی بے مثل اور خاص اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے کمی گئی جدوجہد اور خدمت دین کا تبیجہ ہے کہ یہ دین الحمد للہ آج تک اپنی اصل شکل و صورت میں باقی ہے اور ہر دور میں اس کے دفاع کیلئے یہی علمائے کرام تھے جو سینہ پر رہے۔

دینی تعلیمات کے تحفظ اور فروغ کے لیے ہمارے معاشرے میں ڈیڑھ سو برس سے محنت ہو رہی ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہوتی رہے گی۔ دینی مدارس اپنے قیام سے اب تک ایک ہی مقصد کے لیے سرگرم عمل ہیں کہ انسانی سوسائٹی کا تعلق وحی الہی اور آسمانی تعلیمات کے ساتھ ہزار ہے اور زمین پر بننے والے سب لوگ اپنی زندگی آسمانی تعلیمات کی روشنی میں وحی الہی کی ہدایات کے مطابق بس کریں۔

یہ جو دینی تعلیم ہے یعنی قرآن مجید اور حدیث نبوی کی شکل میں وحی الہی اور آسمانی تعلیمات ہیں سب سے پہلے ہمیں اپنی ذات کی پہچان حاصل کرنے میں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے بغیر ہمیں دنیا میں اپنی پہچان اور اپنا تعارف مکمل نہیں کر سکتے کہ ہم کیا ہیں؟ کیوں ہیں؟ اور ہمیں کس نے بنایا ہے؟ دنیا کے جتنے علوم و فنون ہیں یہ بہر حال ہماری ضرورت ہیں۔ سائنس و تکنالوژی، بیالوہی اور سوشیالوہی وغیرہ ان میں سے کسی چیز سے ہمیں انکار نہیں ہے لیکن ان کا دائرہ ہماری اس دنیوی زندگی تک محدود ہے۔ اب ہماری زندگی دس منٹ باقی ہے، دس گھنٹے باقی ہے یاد سال باقی ہے، ان کی ضرورت بہر حال مجھے اور آپ کو زندگی کے ختم ہونے سے پہلے پہلے ہے۔ جبکہ آنکھ بند ہونے کے بعد ان میں سے کوئی فن اور علم ہمارے کام کا نہیں ہے۔ حالانکہ اسلامی عقیدے کے مطابق ہماری زندگی صرف آنکھ بند ہونے تک نہیں ہے بلکہ اس سے آگے بھی ہماری زندگی ہے۔ اس سے آگے بڑی بھی ہے، حشر بھی ہے، پل صراط بھی ہے، جنت بھی ہے، اور اللہ نے کرے چشم بھی ہے۔ لہذا ہماری جو حاصل زندگی اور مستقبل ہے اس کے حوالے سے ہمیں جو تعلیمات، معلومات اور رہنمائی ملتی ہے تو قرآن و حدیث کی شکل میں وحی الہی اور آسمانی تعلیمات سے ملتی ہے۔

اسی وحی الہی اور آسمانی تعلیمات کو محفوظ کرنے کیلئے مدارس میں ان مدارس میں طلباءے دین کی ایک جماعت ہے جو دن رات قرآن و حدیث کو اپنے سینوں میں محفوظ کر رہی ہے، یہی وہ مبارک جماعت ہے جس نے

دینی مسائل پر قیمت و ممیت نظر رکھی اور دین کے ہر ہر پہلو کو اس قدرو اخراج کر دیا کہ اب عامتہ اسلامیہ کیلئے شرعی اور امن و نوایی سے آگاہی حاصل کرنا نہایت آسان ہو گیا ہے۔

اگر ہم غور کریں گے تو صحیح میں آئے گا کہ نہ جانے مدارس اسلامیہ اپنے اپنے علاقے اور اپنے اپنے مقام پر کیسی کیسی عظیم خدمات سر انجام دے رہے ہیں، اور یہ مدارس اسلامیہ کے یہ وہ احسانات میں جس پر پوری امت کو ممنون و مشکور ہونا چاہیے۔

غور کرنے کی ضرورت ہے کہ یہی مدارس اور انکے فیض یافتہ خدام دین معاشرہ کی اصلاح اور امت مسلمہ کی زبوں حالی کے خاتمہ کے لیے کم بستہ ہو کر قیل تھوا ہوں پر گزار کر لیتے ہیں، دنیاوی لذتوں کو خیر باد کہہ کر دین اسلام کی سر بلندی اور رضاۓ الہی کے حصول کے لیے کوشش رہتے ہیں۔ لہذا ان نازک ترین حالات میں ہمارا دینی و اخلاقی فریضہ ہے کہ ہم مدارس و مساجد اور ان سے منسلک رجال کار ائمہ و مؤذین، حفاظ اور علماء معلمین و معلمات کی حقیقی الوضاع اعانت کریں، یاد رکھیے! یہ حضرات و ارشت نبوی کے علمبرداریں انکی عزتِ نفس کی تذلیل ہمارے لیے خسارے کا باعث ہو سکتی ہے۔

مدارس کی طلباء کی امداد و اعانت کریں، اور مختلف طریقوں سے انکی ضروریات کا خیال کریں کیونکہ مدارس کی اعانت دراصل دین اسلام کی اعانت ہے کہ ان مدارس سے اسلام کی آیا ری ہوتی ہے۔ یہ دیکھیں کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم تو مکمل نعمتوں سے لطف اندوں ہو رہے ہیں جبکہ خدام دین اور مجاہدین شریعت کے گھروں کے چولے نکھلے ہوئے ہیں اور فاقہ کشی سے گزر رہے ہیں، کہیں یہ حال تو نہیں کہ ان معمار انِ قوم کے معصوم پیغمبر مسیح مسیح مسیح کے سے بدل بلا رہے ہوں۔ خدا رالی نازک صورت حال میں اپنے مخصوص مدارس اور خدام دین کو فراموش نہ کریں۔

عام حالات میں مدارس دینیہ کا تعاون کرنا زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ دینی مدارس اسلام کے قلے ہیں، ان کو مالی امداد کے ذریعے مضبوط کر کے باقی رکھنا دین کی بقا ہے، مدارس کے غریب طلب کو زکات دینے میں شریعت مطہرہ کی تزویج و اشاعت میں تعاون ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص و خیر خواہی عطا فرمائے اور حدیث نبوی ﷺ کے مطابق اپنے آپ کو ڈھانے کی توفیق عطا فرمائے، اللہ پاک ہماری اور تمام امت مسلمہ اور ساری انسانیت کی حفاظت فرمائے مدارس اسلامیہ اور مرکز دینیہ کی غیری حفاظت فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین ولی اللہ وسلم و بارک علی نبینا محمد علیہ وآلہ و سلم جمعین۔

## ذکر الٰہی کے فوائد و برکات

عَنْ أَنَّسِ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَنْفُمُ السَّاعَةَ حَتَّى لَا يُقَالَ

فِي الْأَرْضِ: اللَّهُ اللَّهُ رَوَادُ مُسْلِمٍ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت

برپا ہوگی، جب دنیا میں اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہ ہے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے دل دوچیزوں غفلت اور گناہ سے زنگ پکڑتا ہے اور دو چیزوں سے ہی زنگ دور کیا جاسکتا اور دل کو روشن کیا جاسکتا ہے۔ استغفار اور ذکر الٰہی۔

ذکر کے معنی یاد کرنا، یاد رکھنا، چچا کرنا خیر خواہی اور عزت و شرف کے میں۔ قرآن کریم میں ذکر ان تمام معنوں میں آیا ہوا ہے۔ اللہ عز وجل کو یاد کرنا، اسے یاد رکھنا، اس کا حصر چاکرنا اور اس کا نام لینا ذکر اللہ کہ لاتا ہے۔ دین اسلام میں ذکر الٰہی کی بہت فضیلت ہے۔ نبی مہربان ﷺ نے ہمیں ذکر الٰہی پر رب العالمین کی طرف سے بے شمار انعامات اور درجات کی بندی کا وعدہ کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ذکر الٰہی کو ہنہوں کو منانے والا کہا ہے۔ نبی مہربان ﷺ کثرت کلام سے منع فرمایا ہے اور ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کا حکم دیا ہے

”خوش قسمت میں وہ لوگ جو دنیا کے ساتھ اپنی آخرت بھی منوار رہے ہیں۔ اور جن کے دل اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے ان کی تو شان میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مفہوم: حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ قیامت کے دن اللہ جل شانہ بعض قوموں کا حشر فرمائیں گے کہ ان کے چہرے دل میں نور چمکتا ہوگا، وہ موتیوں کے منبروں پر ہوں گے۔ لوگ ان پر رشک کرتے ہوں گے۔ وہ انبیاء اور شہداء نہیں ہوں گے۔ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ان کا حال بیان فرماد تھیں کہ ہم ان کو بیچان لیں۔ آپ نے فرمایا: وہ لوگ جو اللہ کی محبت میں مختلف جگہوں اور مختلف خاندانوں سے آ کر ایک جگہ جمع ہو گئے ہوں اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔ (الطبرانی) ایک بلغم فرمایا کہ جب جنت کے باغوں پر گزر تو خوب جگہ کسی نے عرض کیا۔

رسول اللہ ﷺ! جنت کے باغ کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔ (اطبرانی)

آج تک جتنے اولیاء اللہ گزرے ان کا کوئی وقت ایسا نہیں گزرا جو یاد خدا سے غافل ہو۔ ہر گھنٹی اللہ تعالیٰ اللہ کی صدائیں ہوتی تھیں، یہاں تک کہ جب حضرت جنید بغدادیؒ کا انتقال ہونے کا توکی نے کہا حضرت گلمؑ پڑھ لیجیے، حضرت جنید بغدادیؒ کہنے لگے میں کسی وقت بھی اس کو نہیں بھولا۔ (یعنی یاد دلاواً اگر میں کسی گھنٹی اپنے اللہ کو بھولا ہوں)

اللہ کی یاد جب انسان کے بیوں پر قلب میں سرایت کر جاتی ہے تو سکون اور طمانتی بھی رج بس جاتی ہے۔ انسان کی تمام تر پریشانیاں خود بخود دور ہوتی پڑی جاتی ہیں۔ دل میں فرحت، سرور اور انਸاط پیدا ہو جاتا ہے، دل اور پیغمبر پر نور ہو جاتا ہے۔ ذکر کا نور دنیا میں بھی ساتھ رہتا ہے اور قبر میں بھی ساتھ رہتا ہے۔ ذکر دلوں کو زندہ کرتا ہے۔

ذکر الہی سے بے حد وقت حاصل ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چسکی کی مشقت اور دیگر معمولات کی زیادتی و تکالیف کی شکایت کرنے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خادم طلب فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ کو خادم دینے کی بجائے رات کو سوتے وقت 33 مرتبہ بھajan اللہ، 33 بار الحمد للہ اور چوتیں بار اللہ اکبر پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔ اور فرمایا خادم کی بجائے یہ کلمہ مبارے لیے ہتر ہیں۔

ذکر الہی شیطان کو ذلیل و رسوای کر دیتا ہے، ذکر الہی سے اللہ راضی ہو جاتا ہے، ذکر الہی غموں اور پریشانیوں کا علاج ہے، ذکر الہی سے دل میں سرست اور خوش پیدا ہوتی ہے، ذکر الہی سے بدن کو تقویت ملتی ہے، ذکر الہی سے انبات (رجوع الی اللہ) حاصل ہوتی ہے، ذکر الہی سے تقرب الہی حاصل ہوتا ہے، ذکر الہی سے معرفت کے دروازے کھل جاتے ہیں، ذکر الہی سے دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کے ساتھ ساقی بیت اور عظمت و تقویر و جلال کا سکھ بیٹھتا ہے، ذکر الہی سے اللہ عوجل آسمانوں میں ذا کر کا تذکرہ کرتے ہیں، ذکر الہی سے دل کو زندگی اور تازگی نصیب ہوتی ہے، ذکر الہی سے دل کا زنگ اتر جاتا ہے، ذکر الہی سے اللہ تعالیٰ کا جن کلمات سے ذکر کرتا ہے وہی اذ کار مصابع و آلام اور تکلیف کے وقت اس کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔ ذکر الہی سے اللہ تعالیٰ کی محفوظ رہتا ہے، ذکر الہی سے دل کو قرار اور اطمینان نصیب ہوتا ہے، ذکر الہی سے انسان بغیریات سے محفوظ رہتا ہے، ذکر الہی کی مجال فرشتوں کی مجلسیں ہوتی ہیں، ذکر الہی سے ذا کر نیک اور سعید ہو جاتا ہے، ذکر الہی کی وجہ سے انسان قیامت

کے دن حسرت سے مامون رہے گا، ذا کر کو ذکر الٰہی کی برکت سے وہ نعمتیں مل جاتی ہیں جو مانگ کر لینے سے بھی نہیں ملتیں، ذکر الٰہی تمام تر عبادات سے آسان اور افضل ہے، ذکر الٰہی سے جنت میں درخت لگتے ہیں، ذکر الٰہی سے دنیا میں بھی نور قبریں بھی نور حاصل ہو گا۔ ذکر الٰہی سے دل بیدار رہتا ہے، ذکر الٰہی قرب خداوندی اور معیشت الٰہی کا ذریعہ ہے، ذکر الٰہی صدقہ و جہاد سے افضل ہے، ذکر راس اشکر ہے، ذکر الٰہی سے دل کی قیادت زمی میں تبدیل ہو جاتی ہے، ذکر الٰہی دل کی دوا اور قلب کی شفا ہے، ذکر الٰہی مجتہد الٰہی کا حصول ہے، ذکر الٰہی ہر قسم کے شکر سے اعلیٰ ترین شکر ہے، جو مریض نعمت کا باعث ہے، ذکر الٰہی اللہ کی حمتیں اور فرشتوں کی دعاوں کا موجب ہے، مجلس ذکر جنت کے باغات یں، مجلس ذکر فرشتوں کی مجلسیں یں، اہل ذکر سے اللہ تعالیٰ ملائکہ میں فخر فرماتے ہیں، ذکر الٰہی پر ہمیشہ کرنے والا مسکراتے ہوئے جنت میں جائے گا۔

اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے ہمیں ہر بحث ہر موضوع پر ذکر الٰہی کا ہدی درس دیا ہے۔ گھر سے نکلیں تو دعا باز ارجائیں تو دعا، وواری پر سوار ہوں تو دعا، شہر میں داخل ہوں تو دعا، پانی پینیں تو دعا، کھانا کھانے سے فارغ ہوں تو دعا، مسجد میں داخل ہوں تو دعا اور نمازوں تو دعاوں کا مجموعہ ہے۔ مسجد سے باہر نکلیں تو دعا، بس پہنیں تو دعا، الغرض جملہ عروی میں جانے کی دعا۔

الغرض! ذکر الٰہی کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اور ہر حالت میں اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے اپنے معمود حقیقی کو یاد رکھے اور اس کی یاد سے کنجی غافل نہ ہو۔ اس وقت جب کہ پورا ملک افراتی فرقی کا منظر پیش کر رہا ہے، ضرورتے اس بات کی ہے کہ انفرادی و اجتماعی توہین کی جائے، ذکر الٰہی کو اپنا شیوه بنایا جائے، احادیث مبارکہ میں جو جموقع محل کی دعائیں امت کو بتائی گئی ہیں، ان کے سیکھنے سکھانے کا بھرپور اہتمام کیا جائے، بزرگوں سے تعلق استوار کیا جائے، ان کی مجلس کو غنیمت سمجھا جائے، ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا جائے، دل کی دنیا آباد کی جائے، روحانیت و ایمانیت کی شمع فروزان کی جائے۔ جو اس حقیقت کو پا لے گا، آسے ایمان کی حلاوت و میٹھا سس نصیب ہو گی اور نا امیدی و مایوسی کا طوفان خس و خاشک دکھانی دے گا۔ ہم اپنے رب کریم سے دعا کو یہیں کہنمیں کم گو اور حق گو بننے کی توفیق دیں اور ہم اپنے زیادہ وقت کو رب کریم کے ذکر میں گزار سکیں جو کل یوم قیامت ہمارے کام آسکے۔ آمین

یارب العالمین

## رسول اللہ! ﷺ کی دس نصیحتیں اور صیتیں

عَنْ مُعاِذٍ قَالَ: أَوْصَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ قَالَ: "لَا تُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُتِلْتَ وَحْرِقْتَ، وَلَا تَعْقَبْنَ وَالدِّيْكَ، وَإِنْ أَمْرَاكَ أَنْ تَخْرُجْ مِنْ أَهْلَكَ وَمَالِكَ، وَلَا تَنْتَرْكَنَ صَلَّةً مَكْتُوبَةً مُتَعَدِّدًا، فَإِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلَّةً مَكْتُوبَةً مُتَعَدِّدًا فَقَدْ بَرَأَتْ مِنْهُ ذَمَّةُ اللَّهِ، وَلَا تُشْرِكَنَ حَمْرَاءً: فَإِنَّهُ رَأَسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ، وَإِيَّاكَ وَالْمُعْصِيَةَ: فَإِنَّ بِالْمُعْصِيَةِ حَلَّ سَخْطُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَإِيَّاكَ وَالْفَرَارِ مِنَ الزَّحْفِ، وَإِنْ هَلَكَ النَّاسُ، وَإِذَا أَصَابَ النَّاسَ مُوْتٌ وَأَنْتَ فِيهِمْ فَاثْبُتْ، وَأَنْفِقْ عَلَى عِيَالِكَ مِنْ طُولِكَ، وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُ مُعَصَاكَ أَدْبَأَ وَأَخْفَهُمْ فِي اللَّهِ" (رواہ احمد) (ما خذ: معارف الحدیث۔ کتاب الرقاق۔ حدیث نمبر 238)

عَنْ مُعاِذٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَوْصَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ  
حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دفعہ) مجھے دس باتوں کی  
وصیت فرمائی،  
1      قَالَ: "لَا تُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُتِلْتَ وَحْرِقْتَ،  
رسول اللہ! ﷺ نے پہلی وصیت یہ فرمائی  
فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اگرچہ تم کو قتل کر دیا جائے اور جلاڈ الا جائے۔  
شرک سب گناہوں سے بڑا گناہ اور سب نافرمانیوں سے بڑی نافرمانی ہے جو اللہ تعالیٰ کو کسی حالت میں  
گوارا نہیں ہے۔ جناب نبی اکرمؐ اور دوسرے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا اولین نکتہ یہی رہا ہے کہ اللہ  
تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا جائے اور اس کی ذات، صفات، اختیارات اور افعال میں کسی اور کو شریک نہ مانا  
جائے حتیٰ کہ اگر کسی موقع پر ایک مسلمان کو شرک اور قتل میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا پڑے تو اس کے لیے

عزمیت کارستہ یہی ہے کہ وہ قتل ہونا بقول کر لے مگر اپنے ایمان کو شرک سے آلوہ نہ کرے۔

رسول اللہ! ﷺ نے دوسری وصیت یہ فرمائی

**لَا تَعْقِنَّ وَالْدَيْكَ، وَإِنْ أَمْرَاكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ**

اور اپنے مال باب کی ناف مانی نہ کرو، اگرچہ تم کو حکم دیں کہ اپنے اہل و عیال اور مال و منال کو چھوڑ کے بدل جاؤ۔

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے متعدد مقامات پر اپنی توحید اور بندگی کے ساتھ مال باب کی فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے جس کی وجہ مفسرین کرام یہ بیان فرماتے ہیں کہ انسان کے پاس سب سے بڑی دولت اور نعمت اس کی زندگی ہے، اور زندگی دینے والا خدا ہے مگر انسان کے وجود اور زندگی کا ظاہری ذریعہ مال باب میں۔ اس لیے جس طرح اللہ تعالیٰ کاشکرگزار بہنا ضروری ہے اسی طرح مال باب کی شکر گزاری بھی واجب ہے اور مال باب کا حق یہ ہے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کے کسی واضح حکم کی خلاف ورزی کی بات نہ کریں ان کے حکم کو ماننا شرعاً ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اولاد کو چاہئے کہ ان کے سخت سے سخت حکم اور ناگوار سے ناگوار حکم کو بھی مانے، ورنہ مسلکہ یہ ہے کہ مال باب کے ایسے اخت اور نارا و امطالبات کا پورا کرنا اولاد پر شرعاً واجب نہیں ہے، بلکہ اگر خدا کارانہ طور پر اولاد ایسا کرے، (اور کسی دوسرے کی اس میں حق تلقی نہ ہو) تو افضل ہے اور بڑی بلند بات ہے۔

رسول اللہ! ﷺ نے تیسرا وصیت یہ فرمائی:

**وَلَا تَتُرُكَنَ صَلَةً مَكْتُوبَةً مُتَعِّدَّدًا؛ فَإِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلَةً مَكْتُوبَةً مُتَعِّدَّدًا فَقَدْ**

**بَرِئَتُ مِنْهُ ذِمَّةُ اللَّهِ**

اور کبھی ایک فرض نماز بھی قصداً نہ چھوڑو، کیوں کہ جس نے ایک فرض نماز بھی قصداً چھوڑی، اس کے لئے اللہ کا عہد اور ذمہ نہیں رہا۔

ہر مسلمان مرد اور عورت پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض میں جن کو بلا عندر ترک کرنا کبیرہ گناہ ہے، اور اگر کوئی فرض نماز رہ گئی ہے تو جب تک اس کی قضاہیں کرے گا اور تو بہ استغفار نہیں کرے گا یعنی معاشر نہیں ہو گا۔ اس لیے ہر مسلمان کو نماز کی پابندی کرنی چاہیے۔ جو مسلمان نمازوں کی پابندی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کی بھگرائی اور حفاظت میں آجائتا ہے اور

جب کوئی شخص جان بوجھ کر فرض نماز تک کرتا ہے تو یہ حفاظت اس سے اٹھ جاتی ہے۔ نماز کے متعلق آپ نے جو یاد ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ایک فرض نماز صد اڑا تک کی، اس کے لیے اللہ کا عہد و ذمہ نہیں رہا۔ یہاں حدیثوں میں سے ہے جن کی بناء پر حضرت امام شافعیؓ اور بعض دوسرے ائمہ نے تاک صلوٰۃ کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ حضرت امام مالکؓ اور امام ابو حیینہ حجۃۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ حاکم اسلام اس کو جو سراہ بینا مناسب سمجھے دے اور قید کر دے، اللہ کے عہد و ذمہ کی برآت کی یہی ایک صورت ہو سکتی ہے۔ بہر حال اس میں شببیں کو عمداً فرض نماز چھوڑنے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اور یہ گناہ اگر عین فرض نہیں ہے تو قریب بکفر ضرور ہے۔

رسول اللہ! ﷺ نے چتجھی وصیت یہ فرمائی:

4      وَلَا تُشَرِّبَنَّ حَمَرًا، فَإِنَّهُ رَأَسُ الْكُلَّ فَاجْسَدَهُ،

اور ہرگز کبھی شراب نہ پیو، کیوں کہ شراب نوشی سارے فاحش کی جزو بنیاد ہے، (ایسی لئے اس کو ام الخبائث کہا گیا ہے)۔

شراب کو قرآن کریم نے ”گندگی“ کہا ہے اور جناب نبی اکرمؐ نے ”ام الخبائث“ قرار دیا ہے۔ شراب اسلام میں حرام ہے اور شراب کی طرح ہر وہ چیز حرام ہے جو نہ دیتی ہے۔ جناب نبی اکرمؐ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ نشد دینے والی ہر چیز حرام ہے اور اس کا استعمال کبیرہ گناہ ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ایسی گندگی سے خود کو دور رکھے اور شراب سمیت نشد والی کوئی چیز استعمال نہ کرے۔

رسول اللہ! ﷺ نے پانچوں وصیت یہ فرمائی:

5      وَإِيَّاكَ وَالْمُعْصِيَةِ، فَإِنَّ إِلَيْكُمْ سَبَقَتِ الْحَسْنَاتُ حَلَّ سَخْطُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ،

اور ہر گناہ سے بچوں کو کھاول کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غصہ نازل ہوتا ہے۔

یہاں نافرمانی سے مراد کی انسان کا وہ عمومی رویہ ہے جو وہ احکام الٰہی کے بارے میں اختیار کرتا ہے۔ کسی فریضہ میں اچانک کوتاہی ہو گئی ہے یا کسی شرعی حکم پر عمل نہیں ہو سکا تو یہ کناہ کی بات ہے اور اس کی تلافی اور معافی کی کوشش کرنی چاہیے، لیکن شرعی احکام کے بارے میں کسی کامعموی طرز عمل ہی یہ ہو گیا ہے کہ نہ ماننے اور عمل نہ کرنے کا مزاج بن گیا تو ایسا شخص ”نافرمان“ کہلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نار اُنکی کامستوجب قرار پاتا ہے۔ اس لیے ہم سب کو اپنے عمومی طرز عمل کا جائزہ لینا چاہیے کہ قرآن و سنت کے احکام اور ہدایات کے حوالہ سے ہمارا رویہ کیا ہے

اور ایسے طریقہ عمل سے گریز کرنا چاہیے جس پر نافرمانی کا اطلاق ہو سکے۔

رسول اللہ! ﷺ نے چھٹی وصیت یہ فرمائی:

**وَإِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الرَّجْحِفِ وَإِنْ هَلَكَ النَّاسُ.**

میدان جگ سے فرار اختیار نہ کرنا اگرچہ لوگ بلاک ہو رہے ہوں۔

بہاد اور اس میں ثابت قدیمی دینی تقاضوں اور فرائض میں سے ہے اور میدان جہاد میں شمن سے لڑتے ہوئے موت کے خوف سے بھاگنا کیا ہے گناہ ہے جس کی قرآن کریم نے مذمت کی ہے۔ اس لیے کہ موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو اپنے وقت پر ہر عالم میں آ کر رہے ہیں اور جہاد سے بھاگنا دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم سے بھاگنا ہے جو شدید ترین نافرمانی ہے۔ البتہ جگہ حکمت کے تحت جگہ بدلا اور عسکری غزوات کے تحت پیچھے ہنا اس میں شامل نہیں ہے۔

رسول اللہ! ﷺ نے ساتویں وصیت یہ فرمائی:

**وَإِذَا أَصَابَ النَّاسَ مُوْتٌ وَأَنْتَ فِيهِمْ فَاثُبُّ.**

اور جب تم کسی جگہ پر لوگوں کے ساتھ رہتے ہو، اور وہاں (کسی و بائی مرض کی وجہ سے) موت کا باز اگرم ہو جائے تو تم وہیں نجیم رہو، (جان بچانے کے خیال سے وہاں سے مت بھاگو)

شرعی مسئلہ یہ ہے اور جناب نبی اکرمؐ کی بدایت ہے کہ اگر کسی جگہ ایسی وبا پھیل جائے کہ عام موتیں ہو رہی ہوں مثلاً ہیض اور طاعون وغیرہ تو وہاں رہنے والوں میں سے کوئی باہر نہ جائے، اور نہ ہی باہر سے کوئی وہاں جائے۔ اس پس منظر میں نبی اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر ایسی صورتحال پیش آجائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم اور تقدیر پر صابر و شاکر رہتے ہوئے وہاں سے فرار اختیار نہ کیا جائے۔

رسول اللہ! ﷺ نے آٹھویں وصیت یہ فرمائی:

**وَأَنِفِقْ عَلَى عِيَالِكَ مِنْ طُولِكَ.**

اور اپنے اہل و عیال پر اپنی استطاعت اور حیثیت کے مطابق خرچ کرو (نہ بخل سے کام لو کہ پیسہ پاس ہوتے ہوئے اُن کو تکلیف ہو، اور نہ خرچ کرنے میں اپنی حیثیت سے آگے بڑھو)۔

گھر کے سربراہ اہل و عیال کی بخالت کی ذمہ داری ہے اور یوں پیچوں اور زیر کفالت افراد کے

آخر اجات اس کا ذمہ میں لیکن اس کے لیے پدایت یہ ہے کہ اس کی مالی حیثیت کے مطابق ہوں، اگر وہ اپنی حیثیت اور سمعت سے کم خرچ کرتا ہے اور ضروریات فراہم نہیں کرتا تو وہ یہوی بچوں کی حق تلقی کر رہا ہے۔ اور اگر یہوی بچے اس کی حیثیت اور طاقت سے زیادہ کا اس سے مطالبہ کرتے ہیں تو وہ اس کے ساتھ نا انصافی کر رہے ہیں۔ اسلام نے اس بارے میں حقیقت پسندی اور میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا۔ ہمارے ہاں عام طور پر اس سلسلہ میں کوتاہی ہوتی ہے جس سے خاندان اور معاشرت کے نظام میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اگر ہم سب اپنے اپنے طریقے کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات کے مطابق میانہ روی اور توازن اختیار کریں تو بے شمار مسائل سے خود بخوبی جان چھوٹ جائے۔

رسول اللہ! ﷺ نے دسویں وصیت یہ فرمائی:

#### 9 ۹. ۹. ۹. ۹. ۹. ۹. ۹. ۹. ۹. ۹.

**وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدَبًا**

اور ادب دینے کے لئے آن پر (حسب ضرورت و موقع) حقیقی بھی کیا کرو۔

یعنی گھر کے سربراہ کی حیثیت سے اس کا رعب گھر کے ماحول میں قائم رہنا چاہیے تاکہ گھر کا نظام صحیح طریقے سے چلتا رہے اور کوئی خرابی نظر آئے تو وہ اس کی اصلاح کر سکے۔ ضروری نہیں کہ ڈنڈا ہاتھ میں لے کر گھر والوں پر بر ساتا ہی رہے، اصل مقصد گھر کے نظام کا کنڑوں اور اس کے ذریعے خرایوں کی اصلاح اور نظام کو صحیح طور پر چلانا ہے، جو حکمت و داش اور محبت و اعتماد کی فضائیں زیادہ موثر طریقہ سے قائم ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں خود جتاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ یہ ہے کہ انہوں نے زندگی بھر کسی یہوی، بیچے حقیقی کو خادم پر بھی بھی پا تھا نہیں اٹھایا اور محبت و اعتماد کے ساتھ گھر کے نظام کو کنڑوں میں رکھا ہے۔ البتہ کبھی اشد مجبوری ہو اور اصلاح کے دیگر ذرائع ناکام ہو جائیں تو بقدر ضرورت ڈنڈے کے استعمال کی بھی گناہ موجود ہے۔ حضور ﷺ کی اس جامع وصیت کے آخری حصہ کا تعلق اولاد کی خبر گیری اور ان کی تادیب و تہیب سے ہے۔

رسول اللہ! ﷺ نے دسویں وصیت یہ فرمائی:

#### 10 ۱۰. ۱۰. ۱۰. ۱۰. ۱۰. ۱۰. ۱۰.

**وَأَخِفْهُمْ فِي اللَّهِ** " (مانند: معارف الحدیث۔ کتاب الرقاۃ۔ حدیث نمبر 238)

اور ان کو اللہ سے ڈرایا بھی کرو۔ (مند احمد) یعنی یہوی بچوں اور زیر یافتالہ افراد کے بارے میں گھر کے سربراہ کی صرف یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ ان کو کھلاتے پلاۓ اور ان کی ضروریات زندگی کی یافتالت کرے۔

بلکہ یہ بھی اس کی ذمہ داری میں شامل ہے کہ ان کی دینی تعلیم و تربیت، اخلاق و عادات کی اصلاح اور ایمان و عقیدہ کی درستگی و پیشگوئی کا خیال رکھے۔ یونکہ اگر گھر کے سربراہ کی غفلت اور بے پرواہی کی وجہ سے گھر کے افراد دین سے دور رہیں گے، ان کے عقائد خراب ہوں گے، اعمال و عبادات میں کوتاہی ہو گئی اور اخلاق و عادت میں بگاڑ ہو گا تو ان کے گناہ اور ذمہ داری میں وہ بھی شریک شمار ہو گا۔ فرمایا "وَأَخْفُهُمْ فِي اللَّهِ" یعنی تمہارے ذمہ دیر ہے کہ اپنے اہل و عیال کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا کرتے رہو، اس کے لئے جو تدبیر میں بھی کرنی پڑیں وہ گویا ہمارے فرائض میں سے میں، اور ہم اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہ ہوں گے۔ اس لیے اس طرف بھی خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یا رب العالمین۔

## عقیدہ ختم نبوت

عَنْ جَابِرٍ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِينَ وَلَا فَقْرَرْ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَلَا فَقْرَرْ، وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ وَمُشَفِّعٍ وَلَا فَقْرَرْ. (بخاری، طبرانی، یہقی)

”حضرت جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ مسیح نے فرمایا: میں رسول کا قائد ہوں اور (مجھے اس بات پر) فخر نہیں اور میں خاتم النبیین ہوں اور (مجھے اس بات پر) کوئی فخر نہیں ہے۔ میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور میں ہی وہ پہلا (شخص) ہوں جس کی شفاعت قول ہوگی اور (مجھے اس بات پر) کوئی فخر نہیں ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے انسان کی راہنمائی اور رشد و پدايت کے لئے انیاء کرام کا سلسلہ شروع کیا جس کا آغاز حضرت آدمؑ کی ذات سے ہوتا ہے اور اس کا اختتام محبوب کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات اقدس پر ہوتا ہے۔ آپ شجر نبوت کے آخری اور قصر نبوت کی آخری اینٹ میں رب کائنات کی طرف سے انسانیت کی رشد و پدايت کیلئے مبعث کر دہ آخری نبی و رسول میں لہذا حضور خاتم النبیین حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا آفتاب رسالت قیامت تک کیلئے پوری انسانیت کو اپسے نویں نبوت سے منور کرتا رہے گا۔

اسلام کی بنیاد تو حیدر اور آخرت کے علاوہ جس اسلامی عقیدے پر ہے وہ یہ ہے کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت اور رسالت کے مقدس سلسلے کی تکمیل ہوگی اور آپ کے بعد کوئی بھی شخص کسی بھی قسم کا نبی نہیں بن سکتا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پرروجی آسکنی ہے اور نہ ایسا الہام جو دین میں جوت ہو۔ اسلام کا یہی عقیدہ ”ختم نبوت“ کے نام سے معروف ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر آج تک پوری امت مسلمہ کی ادنیٰ اختلاف کے بغیر اس عقیدے کو جزو ایمان قرار دیتی آئی ہے۔ عقیدہ ختم نبوت دین کے ایک جزیا کن کا نام نہیں بلکہ اسلام کی اساس ہے۔ دین اسلام کی پوری عمرارت اس عقیدہ پر کھڑی ہے۔ یہ ایک ایسا حساس عقیدہ ہے کہ اگر اس میں شکوک و شبہات کا ذرا سماں بھی رکھنا پیدا ہو جائے تو ایک مسلمان

ابنی متاع ایمان کھو بیٹھتا ہے۔ قرآن کریم کی بلا مبالغہ بیسیوں آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سینکڑوں احادیث اس کی شاہد ہیں۔ یہ مسئلہ قطعی طور پر مسلم اور طے شدہ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اب نبوت اور رسالت کا انقطاع عمل میں آچکا ہے لہذا امیرے بعد نہ کوئی رسول آتے گا اور نہ کوئی نبی۔“ حضور نبی اکرم ﷺ نے بار بار تاکید کے ساتھ اپنے خاتم النبیین ہونے کا اعلان فرمایا ہے اور مختلف تمثیلات کے ذریعے اس اصطلاح کے معنی کی وضاحت فرمائی ہے جس کے بعد اس لفظ کے معنی میں کسی قسم کی تاویل و تعبیر کی گنجائش نہیں رہتی۔ لہذا اب قیامت تک کسی قوم، ملک یا زمانہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد کسی اور نبی یا رسول کی کوئی ضرورت باقی نہیں اور مشیت الہی نے نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امّت ہو۔“ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتی ہیں: ”میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد انبیاء کی مساجد میں آخری مسجد ہے۔“ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) ہوتے۔“ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”میری امّت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے۔ ہر ایک یہی کہہ گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں۔“ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ابوذر! نبیوں میں سب سے پہلے نبی آدم (علیہ السلام) اور سب سے آخری نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں۔“

عقیدہ ختم نبوت اسلام اور اہل بنت والجماعت کی بنیاد ہے جس کو مغلوبی کے ساتھ تھامنا اسلام کے اصول اور ضروریات دین میں سے ہے اگر یہ عقیدہ مجرور ہو جائے تو بندے کے دامن ایمان میں کچھ باقی نہیں پہنچتا۔ اس لئے قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ نے ہماری نجات کے لئے تو حیدور رسالت، قیامت، معاود و حشر کے عقیدہ کو ایمان کا جزو لازم ٹھہرایا ہے وہاں عقیدہ ختم نبوت کو بھی ایمان کا جزو قرار دیا ہے۔ جس سے ذرا بھر بھی تجاوز دنیا اور آخرت کا خسارہ ہے۔ لہذا عبد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لے کر اس وقت تک ہر مسلمان اس پر ایمان رکھتا آیا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بغیر کسی تاویل و تخمیص کے خاتم النبیین ہیں۔ اگر آپ کے بعد کوئی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس

کے دعویٰ نبوت میں کوئی صداقت نہیں ہے وہ محض جھوٹا اور کذاب ہے عقیدہ ختم نبوت پوکہ بڑا ہم اور بنیادی عقیدہ تھا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہ صرف اپنے بے شمار فرائیں میں اپنے عاتم لشیں ہونے کی خبر دی بلکہ اپنے غلاموں کو جھوٹے مدعیان نبوت سے خبردار بھی کیا جس سے عقیدہ ختم نبوت کی نزاکت اور اس کی فضیلت و اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

الغرض! حضور بنی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے بعد نبوت کے ہر احتمال اور امکان کی کلیت انفی فرما کر عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین نے بھی اپنے قول و عمل کے ذریعے نہ صرف عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت کی بلکہ اپنی جانوں کا نذر انہیں پیش کر کے اس عقیدہ کی فضیلت و اہمیت کو بھی اجاگر کیا۔ عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی مخوبی کا یا جا سکتا ہے کہ حضور بنی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ کرام کا اس بات پر باقاعدہ اجماع ہوا کہ مدعی نبوت واجب القتل ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ حیات میں اسلام کے تحفظ و دفاع کے لئے بُنگلیں ہوئیں ان میں شہید ہونے والے صحابہ کرام کی تعداد 259 ہے؛ اور تاریخ میں پہلی جنگ جو سیدنا صدیق اکابرؑ کے عہد خلافت میں میلکہ کذاب کے خلاف یہاں میں لڑی گئی اس ایک جنگ میں شہید ہونے والے صحابہ اور تابعین کی تعداد 1200 ہے جن میں سے 700 قرآن مجید کے حافظ اور عالم تھے تو گویا کہ صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد اس عقیدہ کے تحفظ کے لئے جام شہادت نوش کر گئی تو اس سے عقیدہ ختم نبوت کی عظمت و اہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ خلاصہ کلام: منکرین ختم نبوت کا سلسلہ خود جناب کریم ﷺ کے دور اقصیٰ سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ اور پھر صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم جمعیں اور امت کے تمام طبقات نے ان کا ہر سطح پر عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کیا۔ حق تعالیٰ شانہ تمام مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ کے دامن سے دا بستہ رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین ثم آمین)

## 4 چیزیں تمام پیغمبر ول کی سنت ہیں

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرْبَعٌ مِّنْ سُنَّتِ الْمُرْسَلِينَ: الْحَيَاةُ، وَالْتَّعْلُمُ، وَالسِّوَاكُ، وَالنِّكَاحُ۔ (سنن ترمذی 1080)

سیدنا حضرت ابو ایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار باتیں انبیاء و رسول کی سنت میں سے ہیں: حیاء کرنا، عطر لگانا، مسوک کرنا اور زکاح کرنا۔ (سنن ترمذی حدیث نمبر 1080)

الله تعالیٰ سب کا خالق، مالک، مربی اور حاکم ہے، کائنات کی کوئی چیز اس کی تخلیق، ملکیت، تربیت اور حکومت سے باہر نہیں۔ اسی نے انسانیت کی فوز و فلاح کے لیے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور سب سے آخر میں حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم کو غلام نبیین بنا کر رہتی دنیا تک کے ان انوں کے لیے مقتدا، پیشواؤ اور اوسہ حسن بنا یا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں اخلاقی، معاشرتی، سیاسی، سماجی، ازدواجی، خانگی، عائلوں اور دنیوی و آخر دنیوی زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود مسلم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی گزارنے کے تمام اصول و آداب اور اخلاق و کردار امت کے سامنے پیش کر دیا ہے،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں اور عورتوں کو عفت، عصمت، پاک دامنی اور شرم و حیا اختیار کرنے کا درس دیا، جس سے معاشرہ پاکیزہ اور صاف بنتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا معاشرہ تشکیل دیا، جس پر ملائکہ بھی رشک کرتے تھے، بھاجا کر ام رضوان اللہ علیہم السلام جمعیں اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے تھے اور اس دائرہ سے باہر بھانکنے کو گناہ، حیا کے خلاف اور حیا کی موت تصور کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لِكُلِّ دِينٍ خُلُقٌ وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ۔“ (ابن ماجہ)

”ہر دین کا ایک اخلاق ہوتا ہے اور اسلام کا اخلاق حیاء ہے۔“

گویا شریعت کی نظر میں حیا وہ صفت ہے، جس کے ذریعہ انسان بے ہودہ، بیخ اور ناپسندیدہ کاموں سے کر جاتا ہے۔ دین اسلام میں حیا اور پاک دامنی اپنانے کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ انسان اسے اپنا کر معاشرہ کو

پر امن بنانے میں اہم کردار ادا کرے۔ اور مذکرات و فوایش کے قریب جانے سے روکا گیا ہے، تاکہ معاشرہ انارکی اور فرداد سے بچ جائے۔ حیا انسان کو پاک باز، پر ہیز گار، عفت مآب اور صالح انسان بناتی ہے۔ اگر بندے سے کوئی گناہ و معصیت اور لغزش سرز ہوتی ہے تو یہ حیا ہی ہے جو اس کو عار، شرمندگی اور ندامت کا احساس دلاتی ہے۔ باحیا انسان کسی غلط کام کے ا Zukab کے بعد لوگوں کا سامنا کرنے سے بچھک محسوس کرتا ہے۔ حیا مون کی صفت، ایمان کی شاخ، ایمان میں داخل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں فرمایا کہ: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دہ میں رہنے والی بکفاری لڑکی سے زیادہ بحاچتھے۔“ حیا اسلامی تہذیب و تمدن کے لیے روح کی چیزیں رکھتی ہے اور اسی پر پاکیزہ معاشرہ کی آساس اور بنیاد ہے۔ بہر حال مسدود ہوں یا خواتین، حکمران ہوں یا رعایا علماء ہوں یا عوام، سب کو اس معاشرہ سے اس بے حیائی و بے شرمی کو ختم کرنے کی اپنی استطاعت اور کوشش ضرور کرنی چاہیے۔

انبیاء کی سنتوں میں سے دوسری چیز خوبشو ہے جو رسول اکرم ﷺ کو دنیا کی چیزوں میں سے خوبشو بہت زیادہ محبوب تھی۔“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سلکتھا، اس میں سے خوبشو استعمال فرماتے تھے۔ ”سلکتھا“ کے معنی میں علماء کے دو قول ہیں: بعض تو اس کا ترجمہ عطردان اور اس ڈب کا بتلاتے ہیں، جس میں خوبشو بھی جاتی تھی۔ یعنی اس عطردان میں سے نکال کر استعمال فرماتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ: مردانہ خوبشو وہ ہے، جس کی خوبشو بھیلتی ہوئی جو اورنگ غیر محسوس ہو، (جیسے: گلاب، کیوڑہ، وغیرہ) اور نانہ خوبشو وہ ہے، جس کا نگ غالب ہو اور خوبشو مغلوب ہو، (جیسے: حنا، زعفران، وغیرہ)۔ فائدہ: مطلب یہ ہے کہ مردوں کو مردانہ خوبشو استعمال کرنا چاہیے کہ رنگ آن کی شان کے مناسب نہیں ہے اور عورتوں کو زنانہ خوبشو استعمال کرنا چاہیے کہ دورا جنینیوں تک اس کی خوبشو نہ پہنچ۔

خوبشو کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے زیادہ پسند کرتے تھے کہ (الله تعالیٰ کی پاکیزہ مخلوق) فرشتے بھی اسے پسند کرتے ہیں۔ اور مشک اور عود کی خوبشو کو تمام خوبشووں میں زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ (زاد المعاد)  
مشابدہ ہے کہ خوبشو آدمی کی طبیعت میں فرحت و نشاط اور چحتی پیدا کرتی ہے۔ خوبشو کے ذریعے آدمی کو خود بھی اور دوسروں کو بھی ایک خوشگوار احساس ہوتا ہے۔ ذہنی دباؤ اور ڈپریشن وغیرہ سے دور رہتے ہیں۔ اس کے

مقابلے میں بدبو سے طبیعت میں بیزاری اور گھن پیدا ہوتی ہے۔ ”معطر ہوائیں اور عطر بیز فنا میں روح انسانی کے لیے خدا کا کام کرتی ہیں اور روح قوی کے لیے سرمایہ حیات میں۔ خوشبو سے روح میں توانائی پیدا ہوتی ہے، جس سے دماغ کو کیف اور اعضاء سے باطنی کو راحت نصیب ہوتی ہے۔ خوشبو سے نفس کو سرور اور روح کو انبساط حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں خوبصورتی کے لیے حد درجہ خوشگوار اور خوب تر چیز ہے۔ خوشبو اور پاک روحوں میں گھر اتعلق ہے۔

عطر لگانے کا کوئی خاص طریقہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے، لہذا حس طرح بھی عطر لگانا لیا جائے، اس سے ان شاء اللہ سنت ادا ہو جائے گی اور سنت کا ثواب ملے گا، ہمارے بزرگ اکابرین حبہم اللہ (جو کہ بہت متعدد سنت بزرگ تھے) سے عطر لگانے کا یہ طریقہ منقول ہے کہ وہ حضرات عطر کو پہلے ہتھیلی میں لیتے تھے، پھر دونوں ہاتھوں سے ہتھیلی کو ملتے تھے، پھر دہنی بغل میں پھر بائیں بغل میں لکاتے، اس کے بعد کندھے اور سینے پر مل لیتے تھے، اس طرح داہنی طرف سے ابتداء کرنے سے سنت پر عمل ہو جائے گا اور عطر کی سنت بھی ادا ہو جائے گی۔

انبیاء علیہم السلام کی سنتوں میں تیسری چیز کے متعلق حمورا نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے اس بات کا اندیشہ ہوتا کہ میری امت مشقت اور شکر میں پڑ جائے گی تو میں ہرس و ضو کے وقت مساوک کرنے کا حکم دیتا۔” (موطا امام مالک رحمہم اللہ) مساوک کی فضیلت و ضمیم ایک سنت مساوک کرنا بھی ہے یہ سنت مؤکدہ ہے، اس کا بہت ثواب ہے۔ حدیث پاک میں اس کی بہت فضیلت آتی ہے۔

مساوک آغاز میں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کی موٹائی کے بقدر مولیٰ، اور ایک بالشت لمبی ہونی چاہئے کسی خاص درخت کا ہونا ضروری نہیں، البتہ پیلو یا پھر زینتوں کے درخت کا ہونا زیادہ بہتر ہے۔ پھر مساوک کرنا وضوء کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ نیند کے بعد، گھر میں داخل ہونے سے پہلے، جمیع میں جانے سے پہلے اور تلاوت وغیرہ کی اوقات میں سنت ہے۔ لیکن لوگوں کی نظافت طبع کا خیال رکھنا چاہئے، سب کے سامنے جھاگ نکالنایا تھوڑا ٹھیک نہیں، اس سے لوگ سنت سے متنفر ہو سکتے ہیں۔ مساوک کے کچی فوائد میں، منہ کی صفائی اور رب کی رضا مندی کا ذریعہ ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ موت کے وقت کلمہ شہادت یاد آنے کا بہبہ ہے۔ اور برش وغیرہ سے طہارت و پاکیزگی کی سنت تو ادا ہو جاتی ہے لیکن خاص کوئی سے مساوک کرنے کی سنت حاصل نہیں ہوتی۔ مساوک کا ذکر کئی احادیث میں آیا ہے؛ اس نے اگر کوئی شخص بلا وجہ جان بوجھ کر مساوک کا مذاق اڑائے یا ہٹ دھری سے مطلاقو سرے سے

ہی اس کا انکار کرے تو دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا کیونکہ اس کا ثبوت تواتر سے ہے اور تواتر کا منکر کافر ہوتا ہے۔ اور مساوک عورت کے لیے بھی سنت ہے، لیکن اگر مسوڑ ہے مساوک کے متحمل نہ ہوں اور اس میں تکلیف ہو تو عورت کے لیے دنادسہ مساوک کے قائم مقام ہے اور نیت کے ساتھ دنادسہ سے بھی سنت ادا ہو جائے گی۔ مساوک کرنا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پندیدہ اور دائی عمل تھا۔

انبیاء علیہم السلام کی سنتوں میں چوتھی چیز کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اے جوانوں کی جماعت!

جو شخص تم میں سے گھرستی کا بوجھاٹھا نے کی ہمت رکھتا ہو اس کو نکاح کر لینا چاہیے یہی کیونکہ نکاح نکاح کو پنجی رکھنے والا ہے اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والا ہے۔ (خطیبۃ المسلمین)

اگر وسعت کے ساتھ بہت زیادہ تقاضا ہے کہ بدون نکاح کیے ہوں نکاح کا مرتكب ہو جائے گا تو نکاح کرنا فرض ہے۔ اگر ضرورت ہو مگر وسعت نہ ہو تو اجب ہے اور وسعت کا تدارک محنت، مزدوی اور قرض سے کرے جس کی ادیگی کا مضمum ارادہ ہو۔ اگر ضرورت نہیں لیکن وسعت ہے تو بھی نکاح سنت ہے۔ نامرد کا نکاح کرنا گناہ ہے۔

بعض روایات میں نکاح کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے حدیث شریف کے مطابق سب سے خرچ والا نکاح سب سے زیادہ برکت والا ہوتا ہے، گنجائش سے زیادہ خرچ کرنا مناسب نہیں بالخصوص رسومات سے بچ کر نکاح کرنا اس میں برکت ہی برکت ہے۔

نسل انسانی کی بقاء و افزائش کا آسان اور فطری ذریعہ نکاح ہے، نکاح ایسا عمل ہے جو صرف دنیاوی ہی نہیں بلکہ شریعت محمدیہ میں اسے ایک عبادت کا درجہ دیا گیا ہے حدیث مبارک ہے: نکاح میری سنت ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جو کوئی میری سنت سے اعراض کروہ مجھ سے نہیں ہے۔

انسان مرد ہو یا عورت نکاح سے باوقار بنتا ہے فطری تقاضے پورے ہوتے ہیں غیر فطری تقاضوں سے بچنا آسان ہوتا ہے۔ ایمان کی سلامتی کا بہت بڑا اور مندرجہ ذریعہ نکاح ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زدیک نکاح کے متعلق مصروفیات اپنانا نفلی عبادت سے بہتر ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص نکاح کر لیتا ہے تو اپنا آدھا دین مکمل کر لیتا ہے، لہذا اسے چاہیے کہ باقی آدھے دین کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا

نکاح کے بارے میں منکورہ احادیث و دیگر متعلقہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ: نکاح نہ کرنے والا نکاح کی سنت کے اجر و ثواب سے محروم رہتا ہے۔ نکاح انسان میں شرم و حیا پیدا کرتا ہے اور نکاح آدمی کو بدکاری سے بچاتا ہے۔ نکاح بائی مودت و محبت کا بہترین ذریعہ ہے۔ نکاح انسان کے لیے باعث راحت و سکون ہے۔ نکاح سے دین مکمل ہوتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے، ہم سب کے حال پر رحم فرمائے، اور اللہ تعالیٰ کے احکامات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کی توفیق سے نوازے، اور ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین بجاه سید المرسلین۔ صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و علی آلہ و محبیہ آجئیں۔

عمر شید لاپ تیکی  
Umar Shaheed Library  
[www.umarllibrary.org](http://www.umarllibrary.org)

## موسم سرما مومن کے لیے موسم بہار ہے

عَنْ عَامِرِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: الْغَنِيمَةُ الْبَارِدَةُ  
الصَّوْمُ فِي الشِّتَّاءِ۔ (سنن الترمذی 797)

عامر بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سردی کے موسم میں روزے رکھنا ٹھنڈی (آسان) غنیمت ہے۔

یعنی جس طرح وہ مال جو اللہ کے دشمنوں سے حاصل ہوا اور اسکیلی لڑائی نہ کرنی پڑے، مٹ بھیڑ نہ ہوا ورنہ ہی جان کا خطرہ مول لینا پڑے تو اس سے ایک انسان کس قدر رخوش ہوتا ہے اور اسے حاصل کرنے کی طرف کس قدر راغب ہوتا ہے اسی طرح سردی کے موسم میں روزہ بلا شفقت و پریشانی کے رکھا جا سکتا ہے۔ حضرت اب ان مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے: سردی کو خوش آمدید اس موسم میں برکتیں نازل ہوتی یہیں کہ تہجد کے لئے رات طویل ہو جاتی روزہ رکھنے کے لئے دن چھوٹا آپ بھی ان خوبصورت دنوں اور راتوں سے فائدہ ضرور اٹھائیں۔

اللہ تعالیٰ نے چار موسم بنائے ہیں سرما، گرمایاں اور بہار دنیا وی طور پر بہار سے کہتے ہیں جس میں موسم خوشگوار اور معتدل ہواں میں پھول زیادہ کھلتے ہیں کائنات میں پھیلا ہوا قادر تی حسن اپنے جو بن پر ہوتا ہے موسم سرما کی آمد ہو چکی ہے، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوانیں گرم کپڑوں میں لپٹنے رہنے پر محجور کر دیتی ہیں، ہواوں کے ٹنک جبوکوں سے طبیعت مچل جاتی ہے، جرارت کی طلب بڑھ جاتی ہے، ٹھنڈک کو دور کرنے کے لیے مختلف قسم کے لباس اور بہت ساری چیزیں استعمال کرنے میں لگ جاتے ہیں، موسم گرم کا ہو یا برسات کا، ہر موسم کا لطف و مزہ الگ ہوتا ہے۔ کائنات کا غالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے، وہ بہت خوب جانتا ہے کہ ان انوں کو گرم ہواوں کی بھی ضرورت ہے اور بارش سے جل تھل ہونے کی بھی، اسی طرح موسم سرما کے ذریعہ کائنات میں تبدیلی کا واقع ہونا بھی بہت اہم ہے۔ چاند، سورج، ستارے، جھاڑ، پھاڑ، ہوا، پانی سب اس کے حکم کے ماتحت ہیں، جب اس کا اشارہ ہوتا ہے کائنات کے نظام میں تبدیلی شروع ہو جاتی ہے، جب کہ سورج وہی ہے جسے روز طلوع و غروب

ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں، لیکن وہ چاہتا ہے تو اسی سورج کی شاعروں سے زمین کو گرم کر دیتا ہے، انسانوں کو دھوپ کی شدت سے دو چار کر دیتا ہے اور جب چاہے تو پھر اسی آسمان زمین کے درمیان ماحول اور موسم کو نہایت سرد اور ٹھنڈا کر دیتا ہے، خدا کی قدرت، اس کی عظیم بادشاہت کے یہ انوکھے مناظر اور نظامِ کائنات کی حیرت انگیز تبدیلیاں انسانوں کو بے شمار عبرت نصیحت کا پیغام دیتی ہیں اور اپنے عظیم خلق و مالک کا پتہ بتاتی ہیں کہ اس کائنات کا چلانے والا رب کتنا عظیم ہے! موسموں کی تبدیلی اور حرارت و برودت کی کیفیات انسانوں کے لیے نصیحت کا پیغام ہیں۔ عموماً اس جانب توجہ نہیں دی جاتی کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے نظام کے ذریعہ انسانوں کو کیا سکھایا اور کیا سمجھایا ہے، عقل مندو دنا وہ ہیں جو کائنات میں پیش آنے والی ہر تبدیلی سے بہت لیں اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہیں۔ موسم سرماں متعلق ایک مومن کا موقف کیا ہوا پاہنے اس سے عام طور پر لوگ غفت میں ہیں، اس لیے موسم سرما کی مناسبت سے بھلائی کے چاہنے والے مسلمانوں بھائیوں کے لئے کچھ باتیں پیش کی جا رہی ہیں۔

سردیوں کا موسم جہاں انسانوں کی ضرورت ہے وہیں اس کے اللہ تعالیٰ نے فائدے بھی رکھے ہیں، سردیوں میں دن چھوٹا ہوتا ہے اور راتیں لمبی ہوتی ہیں، جہاں بہت سے کام کرنے میں رات کا بڑا حصہ مددگار ہوتا ہے ویہنے اللہ تعالیٰ کی عبادت، قرآن کریم کی تلاوت، دعا و مناجات کے لیے کافی وقت انسان کو میسر آ جاتا ہے، قدر کرنے والے اس کی بہت قدر کرتے ہیں اور سردیوں کی راتوں میں خوب عبادتوں کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سردی کا موسم مومن کے لیے بہار کا موسم ہے، چنانچہ اس کے دن چھوٹے ہوتے ہیں تو وہ روزہ رکھتا ہے اور راتیں طویل ہوتی ہیں تو وہ قیام کرتا ہے۔ (شعب الایمان للبیهقی: 6393)

موسم سرماں میں مومن کے لیے خیر کا ایک اور خیر کا بہلو تجوہ کی نماز ہے: تہجد اور شب بیداری اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں اور جنت کے دارشین کا شیوه رہا قابل غور ہے کہ موسم سرما کی راتیں قیام اللیل اور تہجد کے لئے بہت مناسب میں یکونہ موسم سرما کی راتیں اسقدر لمبی ہوتی ہیں کہ بندہ اگر رات میں دیر گئے تک سوتے تو بھی تہجد کے لئے آسانی سے جاگ سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے نیک بندے موسم سرما کی آمد پر خوش ہوتے تھے، ایک اور بزرگ حضرت عبید بن عمر رحمہ اللہ موسم سرما کی آمد پر فرماتے: اے اہل قرآن تلاوت قرآن کے لئے رات لمبی ہو گئی ہے اور روزہ رکھنے کیلئے دن چھوٹا ہو گیا ہے لہذا اس موسم میں دن کو روزہ اور رات

میں تہجد کا خصوصی اہتمام کرو۔

موسم سرما میں مومن کے لیے خیر کدو سراپہلو صبر ہے: وہ کیسے؟ وہ اس طرح کہ تہجد ہو یا روزہ رکھنا ہو دنوں عبادتوں میں سردی سخت رکاوٹ بنتی ہے اور اسکے لئے صبر اور برداشت کی ضرورت پڑتی ہے، لہذا جو شخص اس صبر میں کامیاب ہو گیا وہ سردی کے موسم میں تہجد بھی پڑھ لیگا اور روزہ بھی رکھ لیگا۔ کیونکہ سردی کے موسم میں زم و گرم بستر سے اٹھنا، تہجد کے لئے وضو کرنا، سردی کی حالت میں نماز میں کھڑے ہونا، اور روزہ رکھنے کے لئے سحری کے وقت میں کچھ کھانا، اسی طرح جسم میں پانی و کھانے کی کمی کی وجہ سے جب سردی زیادہ محسوس ہو تو اسے برداشت کرنا، یہ سب کچھ بغیر صبر کے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ایک مومن کو چاہیے کہ برداشت کرے اور عبادت کی ادائیگی پر صبر کرے۔

موسم سرما میں مومن کے لیے خیر کا تیسرا پہلو اچھی طرح سے وضو کرنا ہے: سردیوں میں عبادت یا اعمال انجام دینے کے لیے وضو کرنا پڑتا ہے، موسم کی ٹھنڈک کی وجہ سے پانی بھی نہایت سرد ہو جاتا ہے، ایسے میں جب بندہ مومن وضو کرتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دو ہرے اجر کی بشارت دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے سخت سردی میں کامل وضو (یعنی سنت کے مطابق) کیا، اس کے لیے اجر کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: تین چیزیں خطاؤں اور گناہوں کو منادی تی ہیں اور درجات بلست کرتی ہیں۔ سخت سردی کی ناگواری میں کامل وضو کرنا۔ مسجد میں دور سے چل کر آنا۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتقال کرنا۔ (مسلم: 253)

موسم سرما میں مومن کے لیے خیر کا چوتھا پہلو صدقۃ و خیرات ہے: اللہ کی نظر میں صدقے کی بڑی اہمیت ہے، اللہ کے بنک میں ایک کا دس بلکہ سات سو تک ملتا ہے، پھر اگر یہی صدقہ ضرورت کے وقت ہو تو اسکی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے، خاص کر سردی کے موسم میں جبکہ لوگ سردی سے پیش نہ کرنے، کپڑے، گرم لباس اور لحاف وغیرہ اور آمدی میں کمی کی وجہ سے کھانے پینے کی چیزوں کے محتاج ہوتے ہیں تو ایسے ایام میں صدقہ کی فضیلت بڑھ جاتی ہے، اگر ہم غور کریں تو ہمارے پڑوں میں، ہمارے علم میں اور ہمارے آس پاس کے علاقوں میں کتنے ایسے لوگ ہیں جنکے پاس سردی سے پیش نہ کرنے کے لئے نہ کپڑے ہیں اور نہ لحاف اور نہ رفاقتی کا انتظام جبکہ ہم اللہ ہر طرح سے خوشحال ہیں۔ اگرچہ آپ کو ابھی زیادہ ٹھنڈی نہ لگ رہی ہو لیکن اپنے ملک کے غریبوں کو دیکھیں کہ ان کا

کیا حال ہے۔

مشہور تابعی صفوان بن سلیم رحمہ اللہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ مخہنڈی کے موسم میں ایک رات مسجد بنوی سے باہر نکلے، دیکھا کہ ایک شخص سردی سے کانپ رہا ہے اور اسکے پاس اپنے آپ کو سردی سے بچانے کے لئے کپڑے نہیں میں ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنی قیص اتاری اور اس شخص کو پہنادیا، اسی رات بلا دشام میں کسی شخص نے خواب دیکھا کہ صفوان بن سلیم صرف ایک قیص صدقہ کرنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہوئے، وہ شخص اسی وقت مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوا اور مدینہ منورہ آ کر صفوان بن سلیم رحمہ اللہ کا پتہ پوچھا اور ان سے اپنا خواب بیان کیا۔

{صفہ صفوہ 2/154}

موسم سرمایں چوں کہ دن کا وقت مختصر ہو جاتا ہے اور رات کا وقت کافی طویل، اس لیے اوقات کی قدر دانی کرنا چاہیے، لمبی لمبی راتوں کو فضول گپٹ پ۔ لایعنی مشغلوں میں شائع نہیں کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا کی ہے تو اسے کار آمد بنانے کی فکر ہونی چاہیے، رات کے اوقات میں بہت سارے کام لکھنے، پڑھنے اور اعمال و عبادات انجام دینے کے ہو سکتے ہیں تو اس کا کچھ نظام بنانا کو استعمال کرنا چاہیے، تاکہ اتنی قیمتی راتیں بے کارہ جائیں۔ کیا پتہ کہ زندگی میں آئندہ یہ ماہ و سال نصیب ہوں گے یا نہیں؟ آج تو تم لوگ وہ سب کچھ کر سکتے ہو جو تمہارے یہ بھائی نہیں کر سکتے، جو قبروں میں پہنچ چکے ہیں۔ اپنی صحت اور فرصت کو غیبت سمجھو اور نیک عمل کرو، اس سے پہلے کہ گھبراہٹ اور حساب کتاب کا دن آپنچھے۔ دین اور دنیا کی کام یابی اور بلند مقاصد کے حصول کے لیے وقت کا صحیح استعمال لازم ہے، سردیوں میں اگر دن کے اوقات میں زیادہ کام نہیں ہو پائے تو رات کا حصہ استعمال میں آسکتا ہے۔

موسم سرمائی منابعت سے ایک ہدایت یہ بھی ہے کہ فطری اور طبعی چیزوں کو راجلا ملت کہو: چونکہ سردی و گرمی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، ان میں سختی اور گرمی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے لہذا انھیں گالی دینا اور بر اجلا کہنا حبائر نہیں ہے، چنانچہ سکاری و مسلم کی روایت کے مطابق ایک حدیث قدسی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آدم کا بیٹا مجھ کو دکھ دیتا ہے، اس طرح کہ وہ زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں زمانہ ہوں، رات و دن کو میں ہی پھیرتا ہوں یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوا اور اس طرح کی دوسری فطری چیزوں کو بر اجلا کہنے سے منع فرمایا، لہذا اگر

کوئی شخص سخت یا نیز و تند ہوادیکھے تو راجلا کہنے کے بجائے یہ چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اس ہوا کے شر سے اسے محفوظ رکھے اور اسیں جو بجلائی کا پبلو ہواں سے محروم نہ کرے۔  
 اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کرنی چاہیے، تاکہ کوئی موسم اور کوئی دن و رات، ماہ و سال ہمارے لیے نہ دنیوی مشقت کا ذریعہ ہو اور نہ ہی آخرت کے عذاب کا سبب۔ اللہ تعالیٰ تکلیفوں کو دور کرے اور راحتوں سے ہم کتاب کرے اور امتحان و آزمائش سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔

## غصے پر قابو۔۔۔ جب غصہ آئے تو کیا کریں؟

**عَنْ أَبِي ذِئْرٍ، قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لَنَا: إِذَا غَضِبَ أَحُدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجِلِّسْ، فَإِنْ دَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَإِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ.**

سید ناصرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو چاہیے کہ بیٹھ جائے، اب اگر اس کا غصہ رفع ہو جائے (تو ہتر ہے) ورنہ پھر لیٹ جائے۔ (سنن ابو داؤد، ادب کا پیان، حدیث نمبر 4782)

یعنی اپنی حالت تبدیل کر لینا چاہئے یعنی کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں اور بیٹھنے سے غصہ دور نہ ہو تو لیٹ جائیں۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرماتے ہیں: جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے ناموش اختیار کرنا چاہئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک گلمہ جاتا ہوں، اگر غصہ کے وقت وہ پڑھ لیا جائے تو اس کے پڑھنے سے غصہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور وہ گلمہ "اعوذ بالله من الشیطان الرجيم" ہے۔ (صحیح البخاری، حدیث نمبر: 6115)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو احساسات اور بند باتوں کے کر پیدا کیا ہے۔ یہ بند بات ہی یہ ہے جن کا اظہار ہمارے رو یوں سے ہوتا ہے کہ جہاں انسان اپنی خوشی یا رُخوش ہوتا ہے وہیں اگر ناپسندیدہ اور اپنی توقعات سے مختلف امور دیکھ لے تو اس کے اندر غصہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ غصہ ایک نفیاتی کیفیت کا نام ہے، یہ انسانی فطرت کا حصہ ہے، اس وجہ سے ہر شخص کے اندر اس فطرت کا وجود ہے اور مشاہدہ میں بھی آتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ غصہ امیروں کی دولت ہے، اور فقیر و مسکین کو بھی غصہ نہیں آتا۔ یہ ہر انسان کی صفت ہے، بیکن سے لیکر ٹھاپے تک اس کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ غصہ ایک آگ ہے جو انسان کے سینے کو سلاک کر کر دیتی ہے اور اس کا انگ انگ اس کی حرارت سے دبک اٹھتا ہے، آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں، چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے، زبان بے قابو ہو جاتی ہے اور جب غصہ

شدید ہو تو اپنے اعضاء پر بھی انسان کی گرفت باقی نہیں رہتی؛ اسی لئے رسول اللہ انے فرمایا کہ: غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، (مسند احمد: ۱۷۹۸۵، ابو داؤد: ۳۷۸۲، عن عطیہ<sup>ؓ</sup>) گویا غصہ کی حالت میں انسان شیطان کا نمائندہ، بن جاتا ہے اور شیطان اس کو اپنے مقصد و منشاء کی تکمیل کے لئے ذریعہ بناتا ہے۔

انسان اپنی خواہشات و احاسات کے مطابق ہونے والے اچھی بات پر خوش ہوتا ہے، جبکہ اپنی سوچ اور توقع کے خلاف ہونے والی ناگوار یا بردی بات پر غصے اور ناراضگی کا اظہار کرتا ہے، یہی غصہ جب حد سے بڑھ جائے اور بر وقت کنڑوں ناکیا جائے تو رامی جھگوڑے سے لیکر قتل و مارت گری تک لے جاتا ہے، کبھی والدین کو اولاد سے جدا کروادیتا ہے، تو کبھی یہوی کو طلاق دلوادیتا ہے، کہیں کسی کا قاتل بنا دیتا ہے تو کبھی انسان کو خود کشی پر مجبور کر دیتا ہے۔ غصہ کی کیفیت انسان کو دینی اعتبار سے بعض اوقات سخت خسارہ میں ڈال دیتی ہے، زبان سے کفریہ کلمات بکھل جاتے ہیں، اگر معاشرہ کے مفاد کا جائزہ لیا جائے تو زیادہ تر برا بیال غصہ ہی کی دین ہیں، خاندانوں کی بائی نفرت، میاں یہوی کے درمیان ڈھنپ فاصلے، ایک دوسرے کی عورت ریزی، صلح کے موقع تلاش کرنے کے بجائے مقدمہ بازی اور جنگ و جدال کا تسلیم، سماج کی یہ مہلک بیماریاں نوے فیصلہ غصہ ہی کے سبب ہیں؛ اسی لئے اسلام میں غصہ کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے اور غصہ پر قابو پانے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اور پھر انسان کے پاس پچھتا وے کے علاوہ کچھ نہیں پچتا، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ہمیں غصہ پر قابو پانے کی بارہا ہدایت فرمائی ہے تاکہ اس غصے کی وجہ سے ہونے والے نقصانات سے ہم خود کو اور اپنے آس پاس کے لوگوں کو محفوظ رکھ سکیں یہونکہ غصہ ایک منفی جذبہ ہے جس پر وقت قابو نہ پایا جائے تو ہم اکثر دوسروں کے ساتھ ساتھ اپنا بھی نقصان کر بلیحثیہ میں اس لیے اسلام نے غصہ ضبط کرنے اور جوشِ عصب کے وقت انتقام لینے کی بجائے صبر و سکون سے رہنے کی تلقین کی ہے، تاکہ معاشرہ انتشار کا شکار نہ ہو بلکہ امن کا گوارہ بن سکے۔

آپ انے ارشاد فرمایا کہ: جیسے ایسا عہد کو خراب کر دیتا ہے، اسی طرح غصہ ایسا ان کو، ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص غصہ کرتا ہے وہ جہنم کے قریب ہو جاتا ہے، (احیاء العلوم: ۳/۱۶۵) آپ انے فرمایا کہ: بدترین آدمی وہ ہے جس کو غصہ جلد آئے اور ختم ہو دیرے: ”شَرْهُمْ سَرْبُ الغَضْبِ بِطْرِيْقِ الْفَيْرِ“ اور بہترین آدمی وہ ہے جسے غصہ دیرے سے آئے اور جلد چلا جائے: ”خَيْرُهُمْ بِطْرِيْقِ الْغَضْبِ سَرْبُ الْفَيْرِ“ (ترمذی، حدیث نمبر: ۲۱۹۱) اور نبی ﷺ نے فرمایا: پہلوان وہ نہیں ہے جو کشتی لڑنے میں غالب ہو جاتے بلکہ اصلی پہلوان تو وہ ہے جو

غصہ کی حالت میں اپنے آپ پر قابو پائے بے قابو نہ ہو جائے۔ (صحیح البخاری: 6114)

قرآنی آیت اور حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے غصہ انسانی نظرت ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نظرت کو اسلام نے دبا کر اور قابو میں رکھنے کا حکم دیا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے آپ کوئی نصیحت فرمادیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غصہ نہ ہوا کر۔ انہوں نے کتنی مرتبہ یہ سوال کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غصہ نہ ہوا کر۔ (صحیح البخاری: 6116)

دنیا میں ظلم و بربریت اور فتنہ و فساد کی جزو غصہ ہے۔ جب تک غصہ دبا ہوتا ہے تب تک فتنہ دبا ہوتا ہے اور جب غصہ بے قابو ہو جاتا ہے تو فتنہ و فساد بھی اپنا منہ کھول لیتا ہے۔ ایسے موقع سے شیطان کافی فائدہ اٹھاتا ہے۔ وہ دو فریق میں نفرت و انتقام کی آگ بھڑکاتا ہے اور انسان بلاد ریخ ایک دوسرے کا خون کر بلیختا ہے۔ غصہ کے برے اثرات انسانی جسم و روح پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ چہرہ دیکھ کر ہم بھانپ سکتے ہیں کہ آدمی غصے میں ہے، رگیں پھول جانا، چہرہ سرخ ہو جانا اور سانوں میں تیزی پیدا ہونا گھصہ ہونے کی علامت ہے۔

جدبات کو قابو میں رکھنے اور صبر و تحمل کی فضیلت اور ثواب کی کثرت اس بنیاد پر بھی ہے کہ اس میں ایک شخص کو امتحان کی مختلف راہ سے گزرنا پڑتا ہے۔ کہیں ملتے ہوئے فائدوں سے محرومی کو گوارا کرنا پڑتا ہے، کبھی خارجی مجبوری کے بغیر خود سے اپنے آپ کو کسی چیز کا پابند کر لینا پڑتا ہے۔ کہیں اپنی بے عرقی کو بروادشت کرنا پڑتا ہے۔ کہیں زیادہ کو چھوڑ کر کم پر قانع ہونا پڑتا ہے۔ کہیں قدرت رکھتے ہوئے اپنے ہاتھ پاؤں کو روک لینا پڑتا ہے۔ کہیں اپنی مقبولیت کو دفن کرنے پر راضی ہونا پڑتا ہے۔ کہیں شہرت اور استقبال کے راستے کو چھوڑ کر گمنامی کے طریقے کو اختیار کرنا پڑتا ہے، کہیں الفاظ کا ذخیرہ ہوتے ہوئے اپنی زبان کو بند کر لینا پڑتا ہے، کہیں جانتے بوجھتے دوسرے کا بوجھا پس سر پر لے لینا پڑتا ہے۔ کہیں اپنے آپ کو ایسے کام میں شریک کرنا پڑتا ہے جس میں کسی قسم کا کوئی کریڈٹ ملنے والا نہیں۔ ان تمام موقع پر نفس کو کچل کر خلافِ نفس کام کرنے پر اپنے آپ کو مجبور کرنا پڑتا ہے۔ یہی وہ راز ہے جس سے انسان کا سفر ہمیشہ بلندی کی طرف جاری رہتا ہے، وہ کبھی ٹھوکر نہیں کھاتا اور نہ کبھی سخت مایوسی کا شکار ہونا پڑتا ہے لیکن جذبات اور غیظ و غصب سے ہمیشہ انسان کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس میں فائدے کا کوئی پہلو نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم نے ساری قوتوں کے باوجود کبھی انتقامی جذبات سے کام نہیں لیا۔

اہل علم نے لکھا ہے کہ غصہ کے وقت تھنڈے پانی کا استعمال مفید ہے، اس لئے غصہ کے وقت پانی پی لیا جائے یا ہاتھ منہ دھل لیا جائے تو ہتری ہو گا۔ جب غصہ آئے تو اس وقت کون کون سی اہم تدابیر اختیار کی جائیں جن سے ہمارے اندر غصہ ختم ہو جائے اور ہم کسی بڑے نقصان سے بچ جائیں؟ اس حوالے سے مندرجہ ذیل امور پر فروغ عمل کرنا چاہیے: غصے کے وقت کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں، بیٹھے ہوں تو لیٹ جائیں، غصہ آئے تو فرا اوضو کر لیں، غصے کے ناتھے کے لیے حضور نبی کریم ﷺ کے تجویز کردہ کلمات ”اعوذ باللہ من الشیطان الرجيم“ فراؤ پڑھ لیں۔ شدید غصے میں لمبے اور گہرے سانس لیں۔ غصے والی جگہ چوڑ دیں، اگر کسی تنگ مقام پر موجود ہیں تو کشادہ چگدیا کھلی فضا میں آجائیں۔ دور کے مناظر کی طرف دیکھنا شروع کر دیں جیسے آسمان کی طرف دیکھنا۔ ان ہدایات پر عمل کر کے غصے کے وقت کی کیفیات و قابو کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تمام تدابیر کا حاصل اور غصہ پر قابو پانے کا سب سے مؤثر ذریعہ خدا کا خوف ہے، خدا سے بے خوفی انسان کو ظلم پر جری بناتی ہے اور خدا کا خوف انسان کے بے قابو جذبات کو تحام لیتا ہے۔

عمر شاheed Library  
Umar Shaheed Library  
[www.umarllibrary.org](http://www.umarllibrary.org)

## کفر و گمراہی کی طرف مسائل ہونے سے ڈریں

عَنْ أَنَّسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ: يَا مُقْلِبَ الْقُلُوبِ، ثَبِّثْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَمْنًا بِكَ وَمَا جِئْتِ بِهِ فَهُلْ تَخْافُ عَلَيْنَا؟ قَالَ: نَعَمْ، إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أَصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللَّهِ يُقْلِبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ.

سیدنا حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا پڑھتے تھے «یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دین» «اے دلوں کے اللہ نے پلنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ، میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم لوگ آپ پر اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لے آئے کیا آپ کو ہمارے سلسلے میں اندر یہ رہتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، لوگوں کے دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان میں جیسا چاہتا ہے انہیں اللہ تا پلٹتا رہتا ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ کوئی دل ایسا نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان نہ ہو، وہ جب تک چاہتے ہیں اس حق پر قائم رکھتے ہیں، اور جب چاہتے ہیں اس حق سے پھر دیتے ہیں۔ وہ قادر مطلق ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اس لئے جن لوگوں کو دین پر قائم رہنے کی شکر ہوتی ہے وہ ہمیشہ اپنے اللہ سے استقامت کی دعاماً نگتے ہیں، حضور اکرم ﷺ ہمیشہ استقامت کی دعماً نگا کرتے تھے۔ اسی لئے بنی کریم ﷺ کثرت سے یہ دعماً نگا کرتے تھے۔ یا مقلب القلوب ثبت قلبنا علی دینک یعنی اے دلوں کے پھر نے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھ۔

آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں یہ انتہائی پرقن دور ہے۔ گمراہ کی نظریات و افکار چاہے ان کا تعلق عقائد سے ہو یا اعمال سے، ایمان سے ہو یا اسلام سے، مسائل سے ہو یا حکامات سے، ظاہر سے ہو یا باطن سے، یہ سب خوب عروج پار ہے ہیں۔ اس لئے انسان اللہ سے دعا کرتا ہے کہ ہمارے ایمان کو سلامت رکھنا کیونکہ اس کی

تو فین تیرے ہی باقاعدہ میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کس قدر بڑے پیغمبر تھے پھر بھی اللہ سے ایمان کی سلامتی کی دعا کرتے رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں چاروں طرف بیشمار دنیاوی رنگینیاں اور شیطانی یہ کا وے ہیں انسان کی بھی وقت پھسل سکتا ہے۔ لیکن اگر دست بدعا پھیلائے رکھے کہ اے رب! توجہ کرو ہا ب! یعنی سب کچھ عطا کرنے والا ہے ہمیں اپنے فضل و کرم سے ایمان کی سلامتی عطا کر دے تو پھر کوئی مشکل ہے اور نہ کوئی پریشانی۔ پھر انسان دعا کرتا ہے اے ہمارے رب! بیشک تو ہم سب کو ایک مقرر دن ضرور اپنے حضور جمع کرنے والا ہے۔ اس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں اور وہ دن ایسا ہو گا کہ جس دن ہر انسان کا حساب تابع لیا جائے گا۔ یہو نکہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا روز قیامت پر پاکیقین ہے۔ اللہ کا وعدہ بڑا پاک وعدہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس دن کی تیاری کے لئے ہمت، طاقت اور راہنمائی عطا کرے۔

اخروی فلاح اُسی شخص کو حاصل ہو گی جو صراطِ مستقیم پر ہو گا۔ جو شخص ہدایت کو پالیتا ہے وہ حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابل کوئی شخص خواہ کتنا بھی مادی عروج کیوں حاصل نہ کرے؟ اگر وہ نعمت ہدایت سے محروم ہے تو اس کی عاقبت اور انجام انتہائی دردناک ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلام کے مطلعے سے ہمیں بہت سے ایسے لوگوں کا پتا چلتا ہے جو نعمت ہدایت سے محروم ہونے کی وجہ سے ذلت اور رسولی کے گڑھے میں گر گئے۔ فرعون اور نمرود حاکم تھے لیکن ہدایت سے محروم ہونے کی وجہ سے نشان عبرت بن گئے ہمان اعلیٰ عہدے دار تھا لیکن اس کا عہدہ و منصب اس کے کسی کام نہ آیا۔ قارون بہت بڑا سرمایہ دار تھا لیکن اپنے سرمائے کے باوجود ذلت اور رسولی اس کا عقد بن گئی۔ شداد جا گیر دار ہونے کے باوجود نامدار ہاں ابو لہب مکہ کا، سردار اور بڑے قبیلے سے تعلق رکھنے کے باوجود ہدایت سے محروم ہونے کی وجہ سے نامام و نامرد ہو گیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں پوری ایک سورت اس کے کردار کی منہضت میں نازل فرمادی۔ اس کے مقابل دنیا میں ہدایت کے راستے پر چلنے والے لوگ نہ صرف یہ کہ اخروی سر بلندی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے بلکہ دنیا میں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو نیک نامی عطا فرمائی اور ان کے کردار اور عمل کو آنے والی نسلوں کے لیے ایک نمونہ بنادیا۔

ہدایت ملتا۔ بہت بڑی چیز ہے لیکن اس کا فائدہ تھی ہے جب یہ باقی بھی رہے۔ اگر ساری زندگی کوئی ہدایت پر رہے لیکن مرتے وقت ہدایت چھین جائے تو ایسی ہدایت کا کوئی فائدہ نہیں۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِإِلْحَوْاتِيْمِ“ اعمال کا دار و مدار غلطی پر ہے۔ (بخاری، کتاب القدر، باب اعمل بالخواطیر، ۲۷۳/۳، الحدیث: ۶۶۰)

اسی لئے ہڑے سے بڑا مومن بھی اپنے غانتے کے بارے میں خوف کرتا رہے اور مجھے بھر کے لئے بھی برے غانتے سے بے خوف نہ ہو۔ اس لئے اس قرآنی دعا زبَّنَا لَا تُرِّعْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اذْهَدَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَابُ<sup>⑤</sup> اور بنی سائیہ نے جو دعا بتائی ہے اس کو بکثرت پڑھتے رہنا چاہئے اور یہ دعا بھی یا مُقْلِبُ الْقُلُوبِ، ثَبِّثْ قَلْبِيْ عَلَى دِينِكَ، غَامِدْ بِالْخَيْرِ مفید ہے۔

یہ دعا میں بہت اہم ہے اور ان دعاؤں کو برابر کرتے رہنا چاہئے۔ بہت سے لوگوں نے ہدایت اختیار کرنے کے بعد گمراہی اختیار کر لی فتنہ گروں کے اتباع میں لگ گئے اور فتنہ میں پڑ گئے اور ایساں کھو بیٹھے اور ہدایت سے ہاتھ دھو بیٹھے صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ بنی آدم کے دل سب کے سب رحمان کے قبضہ میں میں وہ جیسے چاہے پھیر دے۔ پھر آپ نے یہ دعا کی: ”أَللَّهُمَّ مُصَرِّفُ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ (اے اللہ! دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی فرمانبرداری پر لگائے کہ)“

ہدایت کی نعمت یقیناً جملہ نعمتوں پر فوقیت کھلتی ہے۔ سورہ فاتحہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی نعمت کی طلب کا ذکر کیا ہے۔ کتاب و سنت میں ہدایت کی اہمیت بہت زیادہ اجاگر کیا گیا ہے لیکن بدتری سے انسانوں کی ایک بڑی تعداد اس کی اہمیت کو پہچاننے سے قاصر ہے اور متعدد دو جوہات کی وجہ سے انسان را ہدایت سے بھٹک جاتا ہے۔

انسان کی گمراہی کا ایک بڑا سبب بری صحبت بھی ہے۔ بہت سے لوگ میں ہے راستے سے فقط بری صحبت کی وجہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ بری صحبت کی وجہ سے انسان کے افکار، نظریات اور اعمال میں منفی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن ایسے لوگوں کی ناکامی کا ذکر سورہ فرقان کی آیات نمبر 27 سے 29 میں کچھ یوں فرماتے ہیں: اور حس دن دامتوں سے کاٹے کاظلم اپنے ہاتھوں کو کہے گا: اے کاش میں اختیار کرتا رسول کے ساتھ راستہ ہائے بر بادی! کاش میں نہ بتا تفالاں کو دلی دوست۔ بلاشبہ یقیناً اس نے گمراہ کر دیا (اس) ذکر

(یعنی قرآن) سے اس کے بعد کہ جب وہ آیا میرے پاس۔ ”اولادوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے والدین پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی صحبت پر نظر رکھیں تاکہ بچہ غلط صحبت کی وجہ سے گمراہی کا شکار نہ ہو جائے۔

اسی طرح انسان کی خواہشات بھی کہی مرتبہ اس کو راہ ہدایت سے بھٹکا دیتی ہیں اور انسان اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے جائز اور ناجائز راستے میں تفریق کیے بغیر اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہر قسم کے ذرائع استعمال کرنے پر آمادہ و تیار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بہت سے لوگ صراطِ مستقیم کی اہمیت سے لا عسلی کی وجہ سے غافل ہوتے ہیں۔ دنیاوی معاملات میں اس حد تک پڑ جاتے ہیں کہ دینی حقائق کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اسلام میں توازن کا حکم دیتا ہے اور یہ ک وقت دین و دنیا میں ترقی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ دنیاوی معاملات کو ترجیح دیتے ہوئے دینی معاملات کو یکسر نظر انداز کر دینے والے لوگ آخرت میں ناکام اور نامسراد ہو جائیں گے۔ گمراہی کے ان اسباب کو اگر اپنے طریقے سے سمجھ لیا جائے تو یقیناً انسان گمراہی کے راستے سے محفوظ ہو کر صراطِ مستقیم پر چل سکتا ہے یا مَقْلِبُ الْقُلُوبِ، ثَيَّثُ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ، اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو گمراہی سے بچ کر صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے آمین!

عمر شاheed Library  
Umar Shaheed Library  
www.umarllibrary.org

## اُلٰئِمْنَةِ کی ممانعت اور سونے کے آداب

عَنْ أَبِي ذِئْرٍ قَالَ: مَرَرْتُ بِالذَّيْنِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مُضْطَجِعٌ عَلَى بَطْنِي فَرَكَضْنِي بِرِّ جَلِيلٍ وَقَالَ: يَا حَنِيدِ بُنْ عَمَّارٍ إِنَّمَا هَذِهِ ضَجْعَةُ أَهْلِ النَّارِ.

بودھ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ میرے پاس سے گزرے اس حال میں کہ میں پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا، تو آپ ﷺ نے مجھے اپنے پیر سے بلا کر فرمایا: چنید ب! (یہ ابوذر کا نام ہے) سونے کا یہ انداز تو جہنمیوں کا ہے۔ (سنن ابن ماجہ-آداب کا بیان- حدیث نمبر 3724) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو پیٹ کے بل لیٹھے ہوئے دیکھ کر فرمایا: اَنَّ هَذِهِ ضَجْعَةً لَا يُحْبِهُهَا اللَّهُ اس طرح لیٹھنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ (ترمذی، سنن، 97:5، رقم: 2748)

درج بالا احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ پیٹ کے بل لیٹھنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اس لیے اس سے اعتناب کرنا چاہیے۔ اسلام صرف مذہب نہیں بلکہ مکمل نظام حیات ہے جس میں ہر چیز کے متعلق احکام اور آداب پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ نیند اور سونا انسان کی مادی ضرورت ہے اور اسلام نے اس مادی عمل کے بارے میں بھی احکام اور آداب بتائے ہیں۔ یہ آداب ایسے ہیں جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں اور اخلاقی لحاظ سے بھی بہت اعلیٰ وارفع ہیں۔ ان آداب کی شرعی حیثیت واجب یا فرض کی نہیں بلکہ سنت اور محب کی ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ان آداب کی رعایت رکھنے سے ایک طرف تو بہت سے طبعی اور جسمانی فائدے حاصل ہوتے ہیں تو دوسری طرف ان آداب کی رعایت رکھنے سے یہ مادی عمل بھی ثواب اور تقریباً اللہ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

پیٹ کے بل لیٹھنے سے احادیث مبارکہ میں ممانعت آتی ہے، اور ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس ممانعت کی وجہات بھی بتا دی ہیں کہ ہبھنی اس طرح لیٹھنے کے نیز یہ اللہ کا ذریعہ ہے، اور شیطان کے سونے کا طریقہ ہے، نیز اس طرح انسان امور تا بھی نجح اور بر اب ہے، اور طبی لحاظ سے صحت کے لیے بھی مضر اور نقصان دہ ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ پیٹ کے بل لیٹھنا سونے کا سب سے بدترین انداز ہے، اس لئے پیٹ کے

بل سو نا صحت کے لئے ضرر رہا ہے☆ پیٹ کے بل سونے والے مرگی کے شکار افراد میں حادثاتی موت کا خطرہ زیادہ ہے۔☆ اس حالت میں ریڑھ کی پڑی غیر فخری رخ اختیار کر لیتی ہے۔ اس کے عضلات اور مہسوسوں پر غیر ضروری دباؤ پڑتا ہے۔ اگر انسان کمی دن پیٹ کے بل سوتا رہے تو اس کی کمر اور گردان میں تکلیف ہو سکتی ہے۔☆ اس بیت میں سونے سے عموماً انسان لینے میں بھی رکاوٹ جنم لیتی ہے۔☆ اور بسا اوقات ایسا لیٹھا حرکت قلب اور معدے کے عمل پر اثر انداز ہوتا ہے۔

مسلمان گھر انوں میں پیدا ہونے کے باوجود ہم عملی طور پر اپنی زندگیوں کو نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں اور سانچوں میں اس لیے نہیں ڈھالتے کہ ہمارے پاس اتنی فرست نہیں کہ ہم آداب سنت کے طریقوں کو پڑھ سکیں یا کسی عالم دین سے سن سکیں۔ اور دنیا بہان کے کام ہمیں یاد آ جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ سانچوں سال دنیا میں رہنے اور خود کو فخریہ انداز میں مسلمان کھلوانے کے باوجود ہم نبی کریم ﷺ کی سنت کے ان طریقوں پر عمل کرنے سے عاجز رہتے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر جنت کی صفات مل سکتی ہے۔ ہم کامیابوں کو حاصل کرنے کی ہر ممکن جستجو تو کرتے ہیں لیکن جب موزن ہمیں جی علی الفلاح کہہ کر پکارتا ہے کہ مسلمانوں کامیابی کی طرف آؤ تو مسجدوں کی چند قدموں کی مسافت ہم پر بھاری ہو جاتی ہے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ ہم دنیا اور آخرت میں کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل کرنے کی خواہش تو بہت رکھتے ہیں لیکن ان آداب سنت پر عمل کرنے کی ہمیں توفیق نہیں ہوتی۔ بہر حال سونے کے آداب کے حوالے سے اہم ترین آداب پیان کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کوئی مسلمان بھائی اسے پڑھ کے اپنے سونے کے طور طریقوں کو درست کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

سونے کے لیے لیٹھے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ دائیں کروٹ پر دایاں ہاتھ رخار کے نیچے رکھ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے سوئے۔ اگر ممکن وقت اسی کیفیت سے سونا مشکل ہو تو تم ازکم سونے کے لیے لیٹھے وقت اس بیت پر لیٹ جائے۔ بصورت دیگر سیدھا لیٹھے میں بھی حرج نہیں۔ البتہ پیٹ کے بل الٹا لیٹ کر سونا ناپسندیدہ اور منوع ہے،☆ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کے چاروں طرف دیوار یا مسندِ رینہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان نیند میں غفلت کے باعث کہیں چھت سے گرنے جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ：“جو شخص کسی گھر کی ایسی چھت پر سوئے جس کا کوئی پرده (دیوار) نہ ہو اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔” (ابو داؤد)۔ اس “ذمہ داری“ سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی حفاظت کے غبیٰ انتقامات ہیں۔

جب کوئی شخص بغیر دیوار کی چھت پر سوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس حفاظتی انظام کا حق کھو دیتا ہے اور حفاظت کرنے والے فرشتوں کی کوئی ذمہ داری نہیں رہتی۔☆ اور ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”سوتے وقت اٹھ سرمه اہتمام سے استعمال کیا کرو اس لیے کہ یہ بینائی میں اضافہ کرتا ہے اور بالوں کو آگاتا ہے۔“ (ابن ماجہ)☆ اور سونے کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ جب لیٹنے کا ارادہ کرے تو اپنے بستر کو جھاڑے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی موزی جانور اس کے بستر پر موجود ہو اور اسے نقصان پہنچائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی اپنے بستر پر جائے تو اسے چاہیے کہ اپنے تہند کے اندر ورنی حصہ سے اپنے بستر کو جھاڑے اور بسم اللہ پڑھے کیونکہ وہ نہیں جاتا کہ اس کے بعد بستر پر کون اس کا حبا نشین بنتا ہے۔“..... مسلم☆ اسی طریقے کریم ﷺ نے سونے کے حوالے سے یہ ہدایت دی کہ جب رات کو سونے کا ارادہ کرو تو چراغ بخجادیا کرو۔ تاکہ ہر قسم کے نقصان سے بچ سکو۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”رات کو جب تم سوتے ہو تو اپنے گھروں میں آگ اور چراغ کو چلتا نہ چھوڑو۔“ (ابوداؤد) آج کے دور میں چراغ اور آگ کا اطلاق خصوصی طور پر سونی گیس کے چولے اور بیٹری پر ہو گا کہ سونے سے پہلے ان کو لازمی بند کر دیا جائے۔ ورنہ آئے دن اخبارات میں ایسی خبریں آتی رہتی ہیں کہ جو لہے یا بیٹری سے گھر کو آگ لگ گھٹنے سے انسان کی موت واقع ہو گئی۔ اور اسی طرح اسلامی تعلیمات میں ستر پوشی کی خاص اہمیت ہے اور ہر سروہ حالت جس میں بے پر دیگی کا اندیشہ ہو اسلام نے اسے منوع قرار دیا ہے۔ عبد رسولؐ میں لوگ زیادہ تر تہند (پنجابی میں جسے دھوئی کہتے ہیں) پہننا کرتے تھے اور اس میں یہ دھانگ کرٹا نگ پرٹا نگ رکھنے سے بے پر دیگی کا اندیشہ تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس طرح لیٹنے سے منع فرمایا۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے: ”رسول اللہ ﷺ نے یہ دھانگ کرٹا نگ رکھنے سے منع فرمایا۔“ (مسلم) البتہ اگر لباس ایسا ہو جس میں اس طرح لیٹنے سے بے پر دیگی کا اندیشہ نہ ہو تو پھر اس طرح لیٹنا جائز ہے۔☆ اور ہر اچھے کام کی ابتداء میں طرف سے کرنا باعث برکت ہے اسی طرح سوتے وقت بھی داییں کروٹ پر سوتا برکت کا باعث ہے۔ نبی کریم ﷺ کی بھی یہی عادت تھی کہ آپ داییں کروٹ پر لیٹتے اور داییں ہاتھ کو اپنی رخسار کے بیچ رکھتے تھے۔ اور اپنے صحابہ کرام کو بھی اسی کی ہدایت فرماتے تھے: ”حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے داییں کروٹ پر لیٹتے۔“..... مسلم☆ مندرجہ بالا آداب کے علاوہ نبی

کریم ﷺ نے اور بھی بہت سی ایسی ہدایات دی ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے انسان مختلف قسم کے نقصانات سے بچ جاتا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا：“☆ جب رات کی تاریکی آجائے یا تمہارے سامنے شام ہو جائے تو اپنے بچوں کو باہر لٹکنے سے روکو اس لیے کہ اس وقت شیاطین پھیل جاتے ہیں اور جب رات کی ایک گھنٹی گزر جائے تو ان کو چھوڑ دو۔ اور ☆ اللہ کا نام لے کر دروازے بند کرو اس لیے کہ شیطان بند کیے ہوئے دروازے نہیں کھولتا۔ اور ☆ اور رسول اللہ ﷺ نے سونے کی دعا بھی اپنی امت کو تعلیم فرمائی ہے جس کو پڑھنے سے انسان ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رہتا ہے۔ حضرت حدیث فرماتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا جب سونے کے لیے لیٹتے تو اپنا (دایاں) ہاتھ رخارکے پنجے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَمُكَ أَمْوَالَ وَأَحْيَيْ (اَسْأَمُكَ) أَمْوَالَ وَأَحْيَيْ (اَسْأَمُكَ) میں تیرے ہی نام کے ساتھ مرننا اور جینا چاہتا ہوں) علماء نے اس دعا کی فضیلت کے بارے میں لکھا ہے کہ جو شخص اس دعا کو اپنا معمول بنائے گا تو قیامت کے دن جب وہ اٹھایا جائے گا تو اس وقت اس کی زبان سے یہ دعا جاری ہو گی اور اس وقت اس دعا کے معنی پوری طرح صادق آئیں گے اس لیے کہ تب انسان حقیقی موت کے بعد ہی دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ مذکورہ بیان کردہ دعا کے علاوہ اور بھی کبھی اذکار میں جن کو سوتے وقت پڑھنے کی بہت فضائل ہیں، مثلاً: ☆ آیۃ الکرسی، اور سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات: حضرت ابو مسعود بدراؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص رات کو سوتے وقت سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات پڑھ لے وہ اس کے لیے کافی ہے۔“..... بخاری

☆ چاروں قل اور ☆ بھajan اللہ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الْعَظِیْمِ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ نبی کریم ﷺ کے پاس خادم مانگنے کے لیے گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں! سوتے وقت ۳۳ بار بھajan اللہ ۳۳ بار احمد اللہ اور ۳۳ بار اللہ کسر پڑھ لیا کرو۔“..... بخاری بیداری کے وقت کی دعا: انسان جب نیند سے بیدار ہوتا ہے تو اسے چاہیے کہ اللہ کا شکر بجالائے اور یہ دعا پڑھے: آتَحْمَدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَنَا تَابَعْدَ مَا كَمَا تَنَا وَإِلَيْهِ النَّشُورُ ..... بخاری ☆ اور نبی کریم ﷺ نے سو کرائھنے کے بعد ہاتھ دھونے کی ہدایت فرمائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس وقت تم میں سے کوئی شخص رات میں نیند سے بیدار ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنا ہاتھ بتن میں نڈا لے یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ دویا تین مرتبہ دھو لے۔“..... نسائی۔ نبی کریم ﷺ بیدار ہونے کے فوراً بعد مساوک کیا کرتے تھے حضرت

عائشہؓ فرماتی ہیں: ”رسول اللہ ﷺ نے رات یادن میں جب بھی سوکر لختے تو مساک ضرور کرتے تھے۔“ (ابوداؤد) سانس بھی اس بات پر زور دیتی ہے کہ انسان کو نیند کے بعد اپنے دانتوں کی صفائی ضرور کرنی چاہیے اس سے انسان مختلف قسم کی بیماریوں سے بچ جاتا ہے اور تدرست و توانارہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان آداب کی رعایت رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اللہ ہم سب مسلمانوں کو اپنے بنی کریم ﷺ کی ستون پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

## عیادت مریض، اور مریض کو یوں دعا دے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَعُودُ مَرِيضًا لَهُ مَنْ يَحْضُرُ أَجْلُهُ فَيَقُولُ سَبْعَ مَرَّاتٍ: أَسْأَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ، رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيكَ إِلَّا عُوفٌ۔

عبدالله بن عباس<sup>ؓ</sup> سے روایت ہے کہ بنی اکرم میں نے فرمایا: جو مسلمان بندہ کسی ایسے مریض کی عیادت کرے جس کی موت کا بھی وقت نہ ہوا ہوا رسات باریہ دعا پڑھے «أسأل الله العظيم رب العرش العظيم أن يشفيك» میں عظمت والے اللہ اور عظیم عرش کے مالک سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں اچھا کر دے تو ضرور اس کی شفاء ہو جاتی ہے۔ (سنن الترمذی - طب کا بیان - حدیث نمبر 2083)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بنی کریم میں اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم بھی دی ہے کہ کوئی شخص عیادت کو جائے تو مریض کیلئے دعا کرے۔ بنی رحمت، شیخیت امت میں اللہ تعالیٰ علیہ فالہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب کسی مریض کی عیادت کو تشریف لے جاتے تو یہ فرماتے ہیں: اَسْطَهْوَرَ اَنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى (کوئی حرج کی بات نہیں اللہ تعالیٰ نے چاہا تو یہ مرض (گناہوں سے) پاک کرنے والا ہے) (بخاری، کتاب المناقب، باب علماء النبوة فی الاسلام، ۵۰۵/۲، حدیث ۳۶۱۶)

بیمار آدمی کی مزاج پر سی کرنا عیادت مریض کہا جاتا ہے یہ بڑا ہم اخلاقی فریضہ ہے اور بیماروں کی عیادت اور مزانج پر سنت موكده ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مریضوں کی عیادت کا حکم دیا (متفقع علیہ، بخاری: 5635، مسلم: 2066) عیادت کا لفظ عود سے نکلا ہے جس کا لفظی مطلب لوٹنا اور رجوع کرنا ہے چونکہ بیماری کی عیادت کرنے والا بیمار کی طرف گاہے بگاہے آتا ہے اور رجوع کرتا ہے اس لیے یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عیادت کا مفہوم بخطاط مرض: عیادت کیلئے کسی

سخت مرض کی خصوصیت بھی نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جب کوئی شخص صاحب فراش ہو جائے، تب اس کی عیادت کی جائے۔ مخفی معمولی مرض میں بھی عیادت کرنی چاہئے۔

اسلام میں مریض کی عیادت کو بڑی اہمیت اور فضیلت حاصل ہے، یہاں پر سی کرنا، مریض کو تلی دینا اور ہمدردی ظاہر کرنا اونچے درجے کا نیک عمل اور مقبول ترین عبادت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سوسائٹی میں جذبہ الفت اس وقت پیدا ہوتا ہے جب حاجت مندوں کی معاونت کی جائے اور جو کام شہری زندگی کو سنوارتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور عیادت رشتہ الفت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے؛ اس لیے اس میں بلا اجر و ثواب رکھا گیا ہے۔

رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (بیمار پر سی میں کوتاہی کرنے والوں سے)

فرماتے گا کہ: اے آدم کے بیٹے! میں یہاں پر اتحاہا، مگر تو نے مجھے نہ پوچھا! بندہ عرض کرے گا اے میرے رب میں آپ کو کیسے پوچھتا؟ آپ تو جہاؤں کے پانہار میں؛ یعنی یہاں پر سے پاک میں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تو نہیں جانتا تھا کہ میرا فلاں بندہ یہاں پر ہے، لیکن تو نے اسے نہ پوچھا، کیا تو نہیں جانتا تھا کہ اگر تو اس کی بیمار پر سی کوتاہی کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا مسلم، باب فضل عیادۃ المریض، حدیث نمبر: ۲۶۶۱۔

حضرت علیؑ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے نا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان صح کے وقت کسی مسلمان کی عیادت کرتا ہے ستر ہزار فرشتے شام تک اس کے لیے مصروف دعا رہتے ہیں اور اگر شام کے وقت عیادت کرتا ہے تو صح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں اس کے لیے جنت میں ایک باغ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ (ترمذی۔ ابو داؤد)

حضرت ابوسعید غدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو موت کے بارے میں اس کی فکر کو دور کر دو، اس لئے کہ یہ بات اس کے دل کو خوش کرے گی"۔  
(ترمذی ابواب الطبل مجم 35، باب تطیب نفس المریض)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مریض سے کہا جائے کہ آپ فکر نہ کریں، انشاء اللہ آپ اپنے ہو جائیں گے۔ آپ زندہ رہیں گے۔ تعلیم یہ دی گئی ہے کہ مریض کے سامنے اس کے دل کو خوش کرنے والی باتیں کی جائیں۔ ایسی باتیں نہ کی جائیں جو اس کے دل کو تکلیف پہنچانے والی ہوں یا اس کے فکر و اندیشہ میں اضافہ کرنے والی ہوں۔ مجھے ذاتی

تجربہ ہے کہ عیادت کرنے والے شاید بے شعوری کی حالت میں اس تعلیم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر میں کسی کی عیادت کیلئے جاؤں اور اس سے کھوں کہ میرے فلاں عزیز اسی مرض میں مرے تھے؟ آپ غو کریں کہ اس بات سے مریض کا دل خوش ہو گایا اس کے فکر و اندیشہ میں اضافہ؟

حضرت ابو امام رضی اللہ عنہ سے مرفوع اور ایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”عیادت مریض کی تکمیل یہ ہے کہ تم میں کا کوئی شخص اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر یا یہ فرمایا کہ اس کے ہاتھ پر رکھے اور پوچھ کر مزاج کیسا ہے؟ اور تمہارے سلام کی تکمیل تمہارے درمیان مصافحہ ہے۔“ (جامع ترمذی، ابواب الاستنداں، باب ماجاء فی الصافحة مجمع 31) اس عمل سے مریض سمجھتا ہے کہ عیادت کرنے والا شخص اس کا ہمدرد اور بھی خواہ ہے اور واقعی یہ چاہتا ہے کہ مریض کو صحبت حاصل ہو جائے۔ اس خیال سے اس کا دل خوش ہوتا ہے۔

پریشان حال لوگوں کی دعائیں اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ حالت مرض میں مومن صابر کی طرف اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے، اس لئے اس کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مریض سے دعا طلبی کی تعلیم بھی دی گئی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرضیوں کی عیادت کرو اور ان سے کھوکھ وہ تمہارے لئے دعا کریں یونکہ یہماری دعا قبول کی جاتی ہے اور اس کے گناہ بخشنے جاتے ہیں۔ (الستغیب والتزہیب، بحوالہ طبرانی) جس شخص کے گناہ بخش دینے لگتے ہوں، اس کی دعاوں کی مقبولیت کی توقع بڑھ جاتی ہے۔ مریض جب تک تدرست نہ ہو جائے اس کی کوئی دعا رد نہیں ہوتی (الستغیب والتزہیب، بحث الہبناز و مایقق مہما، التزہیب فی عیادۃ المرضی و تاکید حاول التزہیب فی دعاء المریض، ۲/۱۶۵، حدیث ۵۳۴۲)

عیادت کے چند آداب ☆ مریض کے پاس مناسب وقت میں جائیں اور مریض کے گھر میں نظر ہو کی حفاظت کریں۔ ☆ زیادہ دیر تن بیٹھیں، جس سے اسے گرانی ہو؛ اگر کوئی مریض کسی سے بے تکلفی رکھتا ہے اور وہ اس کا خاص دوست و ہمدرد ہے تو وہ زیادہ دیر بیٹھ کر اسے تسلی پہنچانا چاہے تو پہنچا سکتا ہے، اس سے تسلی اور ہمدردی کی باتیں کریں۔ ☆ اگر اسے تکلیف نہ ہو تو اس کے پیشانی پر ہاتھ پھیریں ☆ پہلے اس کا حال دریافت کریں جب وہ اپنے تکلیف بیان کر دے تو اس کے سامنے ”لَا جَاسِ ظُهُورٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ“ کہیں، یعنی اس تکلیف سے آپ کا کوئی نقصان نہ ہو گا اور آپ کے لیے تکلیف انشاء اللہ آپ سے گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ بننے گی۔ ☆ اس پر دعاۓ صحت پڑھ کر دم کرے ☆ اگر وسعت و گنجائش ہو تو اس کے پاس ایسی کھانے کی چیز

لے جائے جس کو وہ پمند کرتا ہو۔☆ مریض کی عیادت کرنا سنت ہے اگر معلوم ہے کہ عیادت کے لیے جانے سے اُس بیمار پر گراں (یعنی ناگوار) گزرے گا، ایسی حالت میں عیادت کے لیے مت جائیے۔ بیمار کی عیادت و مزاج پر سی صرف اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا کے حصول کے لیے ہو، کبھی دنیاوی غرض اور فائدے کے لیے نہ ہو، اور نہ اس لیے کہ شکایت سے محفوظ رہے، بلکہ مجبت اور بھائی چارگی کے حق کی ادائیگی کے لیے ہو۔

بیماروں کی عیادت اور خدمت ایک مسلمان کا دوسرا مسلمان پر حق ہے، اور دین اسلام نے اس کی بڑی ترغیب دی ہے، یہاں تک کہ مسلمان اپنی بیماری کے زمانے میں اسلامی اخوت اور مجبت کا ہر وقت احساس کرتا رہتا ہے، اس کا مرض بھی بہلا ہوتا رہتا ہے، اور بعض وہ چیزیں جس سے وہ معروف ہو گیا اس کا بدلہ بھی اس کو ملتا رہتا ہے۔ اور اپنے دینی بھائیوں کی مجبت کا اندر ہی اندر احساس بھی شفم، ن راس کے سینہ کو خٹھڈا کرتی ہے، اور مسلمان بھائیوں کی اس کے ساتھ ہمدردی و غمگشیری اس کے دل میں مسرت و شادمانی کے جذبہ کو ابھارتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو اس مبارک سنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اللہ کریم تمام بیماروں کو صحبت و شفائے نصیب فرمائیں۔ آمین یارب العلمین و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

# ہماری دیگر مطبوعات

